لاٹھی
اور
بھینس

ملا رموزی

بھوپال پبلشنگ ہاؤس۔ بھوپال

لاٹھی
اور
بھینس

بھوپال پبلشنگ ہاؤس بھوپال

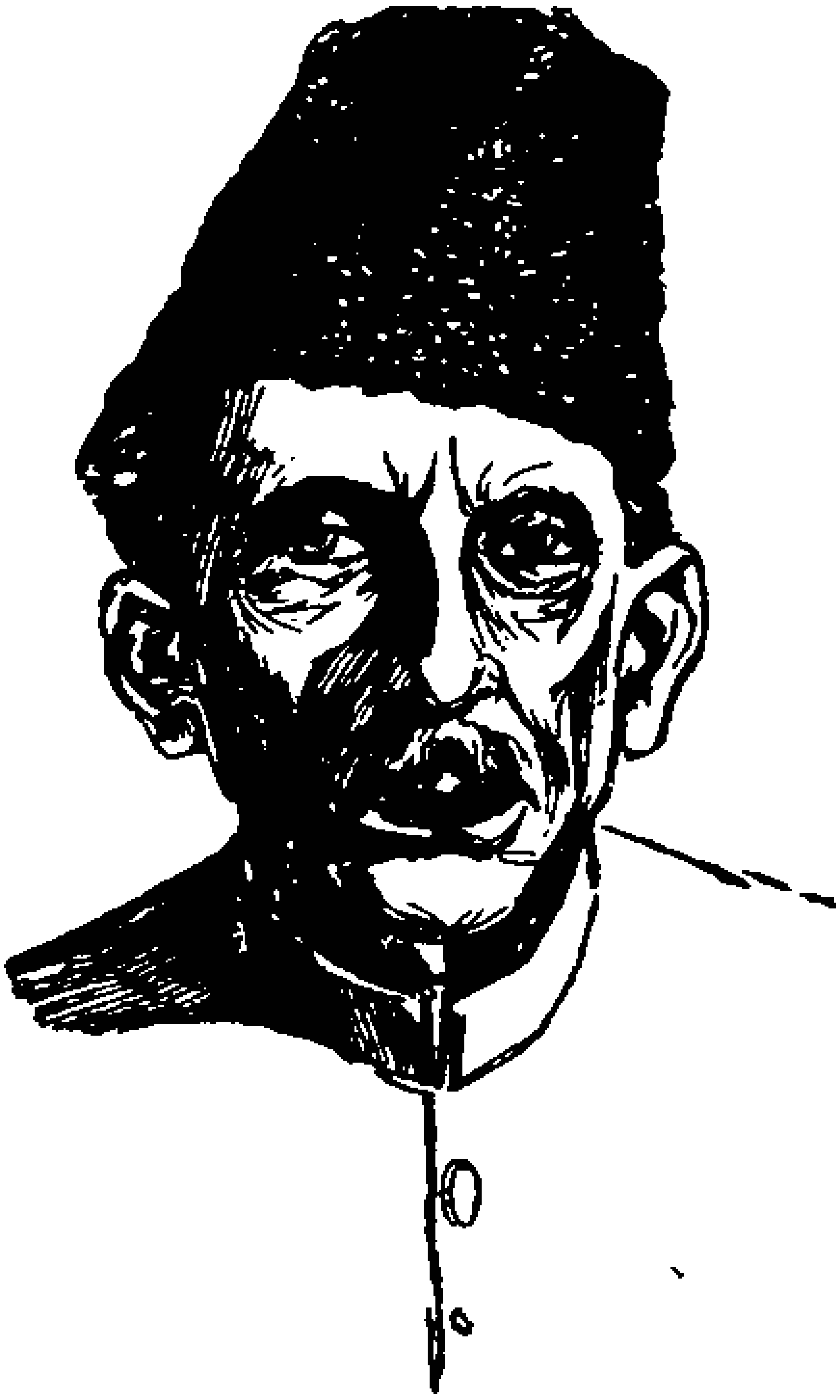

ملّا رموزی

(جملہ حقوق بحق شوکت رموزی محفوظ)

لاٹھی اور بھینس

از

ملا رموزی

بھوپال پبلشنگ ہاؤس
بدھوارہ بھوپال

قیمت ۔ ——— عہ؍

۱۹۴۶ ۱۰۰۰

فہرست

مقدمہ 6
ملّا رموزی اور بھینس 10
بھینس کی تعریف 13
حرکات 18
بھینس کی اقسام 33
سفید بھینس 53
گھریلو بھینس 53
کالی بھینس 57
ملّا رموزی کی بھینس 62
بھینس کا لڑکا 81

006

دیباچہ

پچھلے دنوں دلّی یا لاہور سے چھپی ہوئی ایک جنتری کے اوراق الٹ رہا تھا، اچانک ایک تاریخ پر نگاہ ٹھہر گئی ۱۰ر جنوری ۱۹۵۲ء آگے درج تھا "تاریخ وفات ملا رموزی" دل نے کہا اللہ اکبر جس رموزی کی موت کا دن جنتریوں میں تاریخی دن سمجھا جاتا ہے۔ ابنائے وطن اسے اس طرح بھولے ہوئے ہیں کہ اس کے نام کی یادگار قائم کرنا تو کجا سال میں ایک مرتبہ اسکی برسی منانے بھی جمع نہیں ہوتے۔

ہر چند کہ ملا صاحب کی موت کوئی غیر معمولی سانحہ نہیں ہے لیکن اگر ہمارے تغافل سے ان کی ادبی میراث فنا ہوگئی تو یہ واقعی ایک عظیم سانحہ ہوگا۔ مجھے یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے کہ ملا صاحب کی منتخب تصانیف کو دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے، اور ان کی مشہور تصنیف "لاٹھی اور بھینس" اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔

ملا رموزی مرحوم اردو کے چند گنے چنے مزاح نویسوں میں سے ایک ہیں اور گلابی اردو کے موجد ہونے کی حیثیت سے ایک ایسے مقام کے مالک ہیں جہاں وہ تنہا ہیں۔ ہر بڑے ادیب کی طرح ان کا اپنا اسٹائل ہے اور ان کے اپنے نظریات و خیالات ہیں جن کی ہر حال میں اور ہر طرح تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوعات حیرتناک حد تک متنوع ہیں اور عام طور پر انھوں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا ہے وہ اوریجنل ہیں، زیر نظر تصنیف "لاٹھی اور بھینس" بھی ایسا ہی موضوع ہے۔ اگرچہ اس کتاب کو "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" والی ضرب المثل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کتاب صرف بھینس سے تعلق رکھتی ہے اور ملا صاحب نے خود چند باتیں اسکے جواز میں کہی ہیں۔ لیکن میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس کتاب کو ضرب المثل سے تعلق ہو یا نہ ہو اس میں بھینس بھی ہے اور لاٹھی بھی۔ مشکل سے کوئی صفحہ ایسا ملے گا جہاں یہ لاٹھی نہ گھوم رہی ہو لیکن اسی حسن کے ساتھ کہ دیکھنے والوں کو نظر بھی نہ آئے۔ ملا رموزی کا فن یہ ہے کہ وہ عام طور پر بات کچھ اور کرتے ہیں۔ مفہوم کچھ اور ہوتا ہے۔ یہ خوبی

ان کی "گلابی اردو" میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے لیکن ان کی دوسری تصنیفات بھی اس سے نمایاں نہیں ہیں۔ "لاٹھی اور بھینس" میں بھینس کی ذات و صفات کے علاوہ انھوں نے کیا کیا نہیں کیا ہے۔ نچلے متوسط طبقے کی جہاں انسان اور جانور ایک ہی گھروندے میں جیتے اور مرتے ہیں، ایسی سچی تصویر اس کتاب میں نظر آتی ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں ہے۔ ملا صاحب کا قلم بھینس اور بھینس سے پیدا شدہ مسائل تک محدود نہیں ہے وہ غیر متعلقہ باتیں بھی اس انداز سے کہتے جاتے ہیں کہ موضوع کا ایک حصہ نظر آتی ہیں۔ اور یہی ان کی لاٹھی ہے جو بھینس کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔

بھینس کی تعریف میں اگر ایک طرف مزاح سے بھرپور یہ فقرہ ہے کہ

"بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی پچاس من گوشت آسمان سے زمین پر یہ کہہ کر پھینک دیا ہے کہ جس طرح تیرا جی چاہے تو مجسم بن جا اور اسی قسم کے گوشت کے ڈھیر کا نام لوگوں نے تنگ آکر بھینس رکھ لیا۔"

تو دوسری طرف بھینس کی کود پھاند سے جب بی بیاں خوفزدہ ہو کر کمرہ میں بند ہو جاتی ہیں تو ملا صاحب کی لاٹھی "بے نیام" ہو جاتی ہے۔

"غصہ کی بات ہی ہے آخر وہ ملا رموزی صاحب کیا کہتے ہوں گے کہ صاحب کیا عورتیں ہیں ان کے گھر کی وہ لکھا ہی کرتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے وہ صحابہ کرام کی بیویوں ایسی ہمت بہادری، عزت و دلیری تو فنا ہو گئی۔ اب ان کی جگہ پمپ جوتے، ریشمی ساڑھیوں، پاؤڈر اور قسم قسم کی بے حیائیوں نے لے لی ہے اور جو مسلمان عورتیں میدان جنگ میں تلوار چلانے کے لئے مشہور تھیں آج وہ کلبوں، اسکولوں، پارٹیوں، ہوٹلوں اور ناچ گھروں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں۔"

ملا صاحب کی لاٹھی بھینس کے ساتھ بی بیوں کے سر پر ہی نہیں گھومتی۔ ان کی زد میں مرد عورت، بوڑھے، بچے، حاکم محکوم، مولوی، اوباش، طالب علم، لچے لفنگے تعلیم یافتہ جاہل سب ہی ہیں۔

بھینس کی دم کے اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں، کہیں وہ سرکس کے ہاتھی کا منہ نظر آرہی ہیں کہیں مولوی صاحب قبلہ کا لٹھ، لیکن ملا صاحب بات کچھ اور ہی کہنے والے ہیں دیکھیے ان سے رہا نہیں گیا۔

"اس دم کے بعد ایک دم وہ ہوتی ہے جو انگریزوں کے تقلیدی ڈھانچے بنے ہوئے ہندوستانیوں کے پیچھے بی۔اے پاس ہونے کے بعد لگ جاتی ہے، اس قسم کا دمدار ہمارا ہندوستانی، اپنے ملک، اپنے مذہب، اپنے لباس، اپنی زبان اور اپنے جملہ قومی و ملکی آداب و اصول کو ترک کر کے غیروں کا دم کٹا مقلد بن کر رہ جاتا ہے۔"

بھینس کلکٹر صاحب کا باغ چر لیتی ہے اور سمن بھینس کے مالک کے نام جاری ہوتا ہے تو ملا صاحب کی لاٹھی حرکت میں آجاتی ہے۔

"ہرگاہ عدالت میں مسمی این۔ ڈبلو۔ آر ولد جی۔ آئی۔ پی۔ آر ڈپٹی انسپکٹر قوم غلام ہندوستانی صرف نخرہ اور وضع انگریزی تمہارے خلاف اس عنوان سے مقدمہ دائر کیا ہے کہ مدعی کی کوٹھی جس کا نام اس نے ہندوستانی ہونے پر بھی این۔ ڈبلو۔ آر لاج رکھا ہے واقع جیکب روڈ جو ہندوستانی سڑک ہونے پر بھی انگریزی کے نام سے منسوب ہے۔۔۔۔۔۔ زیر دفعہ ۱۷۷ ایکٹ نمبر ۵۷ مجریہ ۱۸۵۷ء جب کہ انگریزوں کو ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی"

ان فقروں میں کتنا بھرپور طنز ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

طوالت کے خوف سے میں حوالے دینے سے گریز کر رہا ہوں ورنہ اس کتاب میں کئی ہی مقامات ایسے آتے ہیں، جہاں انگریزی سامراج، ہندوستانیوں کی غلامانہ ذہنیت اور مسلمانوں کی اندھی تقلید ملا صاحب کی لاٹھی سے نہیں بچ سکے ہیں۔

ملا صاحب کی ہر تصنیف قومی اور ملی احساسات کی ترجمانی نظر آتی ہے۔ ہمیں ملا صاحب کی بہت سی باتیں بیجا بھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے بجا طور پر اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے خلوص سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اب سے تیس چالیس سال پہلے کے معاشرہ پر نظر ڈالیے یہ واقعہ ہے کہ ہمارے انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان انگریز کی کورانہ تقلید میں اس طرح [illegible]

تھے جیسے ڈھلوان پر کوئی گاڑی کو دوڑائے لئے جا رہا ہو اور ہر لمحہ گاڑی کے الٹ جانے کا خطرہ ہو، پھر کیا غلط تھا اگر ملا صاحب نے اس اندیشہ سے کہ گاڑی الٹ نہ جائے پیچھے سے اسے پکڑ کر پوری طاقت سے روکنا چاہا۔ ظاہر ہے کہ گاڑی رک تو نہیں سکتی تھی لیکن اسے روکنے کی کوشش نے الٹنے سے ضرور بچا لیا۔

اختر سعید

مقدمہ

اُس خدائے عرش و فرش کے نام سے شروع کرتا ہوں جو کائنات عالم کی ناپیدا کنار وسعتوں اور فردوس افروز رنگینیوں کا تنہا خالق ہے اور جو ازل سے خدا ہے اور ابد تک خدا ہی رہے گا۔

اُس خدا کے نام سے جس کے آخری، مگر سب سے محترم نبی احمد مصطفےٰ روحی فداہ نے انسان کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کر کے بتایا کہ انسانی سعادت و سربلندی کی شان ہی یہ ہے کہ وہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے آگے سرِ خم کرے اور بس،

اسی خدا کے نام سے جس نے اس رسول عالیجاہ کے صحابہ کو علم، شمشیر اور انصاف و جہاں بانی کی وہ خرد افروز صلاحیتیں عطا فرمائیں جن کے باعث تاریخ انسانیت رہتی دنیا تک ان کے ناموں کی عظمت کو فخر کے ساتھ برقرار زندہ رکھے گی۔

اسی خدا کے نام سے جس نے اس نبی کے ایک نواسے کو یہ مقدرت عطا فرمائی کہ اس نے دنیوی شوکت و جلالتِ شاہانہ کی تمام نخوتوں کو میدانِ کربلا میں اپنے جلالِ استقلال اور شکوہِ خدا پرستی سے یوں ٹھکرا کر رکھ دیا کہ آج بھی بہادرانِ عالم کے کلیجے اس مقابلہ کی یاد سے لرزتے ہیں اور جس کا دبدبہ

انگیز نام حسین ابن علی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

اسی خدا کے نام سے جس نے اس رسول عالی مقام کے اہل بیت میں وہ سرتاج عالم خواتین پیدا کیں جن کا صبر و استقلال جن کا علم و کمالِ بصیرت، اور جن کا حسنِ تدبر و حسنِ خدا پرستی آج بھی صدا دے رہا ہے کہ آؤ اور کامیاب و کامران زندگی کے تمام سلیقے ہمارے طریقِ زندگی کی پیروی کر کے سیکھ لو۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اب رہا یہ سوال کہ میں نے دنیا کے بے شمار موضوعات کو چھوڑ کر بھینس ایسے مکروہ جانور پر کیوں "طبع آزمائی" کی سو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ مجھ ایسے باغ و بہار اور حسن و رنگ پر جان دینے والے اہل قلم کے سر پہ بھینس ایسے مکروہ جانور کا باندھ دیا جانا دنیا میں آخری ظرافت اور ہنسی کی بات نہیں تو اور کیا ہے؟ اور جو اس سے بھی ذرا شائستہ جواب مطلوب ہے تو یوں سمجھ لیجئے کہ مجھے غریب گھرانوں کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کے جو تفصیلی اور تکمیلی حصے پیش کرنا ہے اور جو میری معاشرتی و اخلاقی کتاب "عورت ذات جلد اول و جلد دوم" سے بچ رہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے اب اگر حقیقت بینی اور نکتہ دانی ہے تو اس میں غور سے دیکھئے گا کہ ایک بھینس نے غلط کار عورتوں کا کتنی جگہ اور کس کس طرح پارٹ کیا ہے۔

واضح ہو کہ اس کتاب کا نام "لاٹھی اور بھینس" ہے اور یہ اصطلاح خصوصیت سے جبر اور سیاسی مواقع کے اعتبار سے مستعمل ہے، لیکن اس کتاب کو سیاست سے تعلق نہ ہونے پر جو یہ نام دیا گیا ہے تو اس لئے کہ

بھینس کے قصے والی کتاب کا نام "عبداللہ خاں" یا مسماۃ رحیماً "بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا، اور صرف "بھینس" یا "بھینس نامہ" نام رکھنے کو میرا ذوق پسند نہیں کرتا تھا اس لئے محض نام کو قدرے شائستہ بنانے کے لئے یہ نام رکھا کہ سند ہو اور وقت ضرورت مجھ مُلّا رموزی کے کام آئے، اور وضاحت کے لئے طویل مقدمے کے عوض یہ مختصر سی "مقدمی" لکھدی اب ؎

"زین گلستانِ من ببر ورقے"

مُلّا رموزی

۴

مُلا رموزی اور بھینس

مُلا رموزی نام ہے ایک ایسے "آدم ذات" کا جسے دنیا میں نہ کبھی تانگہ چلانا آیا نہ کسی عظیم الشان دنگل میں کسی بھوت کی صورت والے پہلوان سے کشتی لڑنا آیا نہ اس نے چانڈو، چرس، گانجے، بھنگ اور افیون کھانے کی مشق کی، نہ راتوں کو ایک مرتبہ بھی کسی افسر کے مکان میں نقب زنی کی کوشش میں گرفتار ہوا، نہ اس نے دفتری زندگی کو کبھی اس لئے سرمایۂ توقیر و افتخار سمجھا کہ افسر ہو کر شہر اور محلے والوں کو خوب ستائیں گے ادر اکڑ فوں دکھائیں اور تنخواہ ملے گی تو موٹر منگائیں گے نہ اس نے کبھی بلدیہ اور مجلس وضع قوانین کی رکنیت کو وجہ اعزاز و افتخار سمجھا نہ وہ لنگوٹ بند قلندر بن کر ولی اللہ بنا نہ لمبی زلفوں کے ساتھ قوالی پسند، پیر صاحب کے رتبہ کو پہنچا نہ اس نے کسی حور وش اور اسکول کی تعلیم یافتہ لڑکی کو اولاد بخش تعویذ دیا نہ اس نے کسی مزار پر عرس کے لئے چندہ وصول کیا۔ ہاں اگر ملا رموزی دنیا میں کچھ بنا تو بس مضمون نگار اور وہ بھی "لطافت نگار" اب ایک لطافت نگار انسان کی تعریف یہ ہے کہ اس کے دماغ میں جُلاہا پن نہ ہو بلکہ علم و معلومات اور فنون و معارف کی وہ حقائق افروز روشنی ہو جس کی عالم آرا تجلیوں سے وہ اپنے مخاطب کے دماغ کو علم و حقیقت سے جگمگا دے۔ اس کے دماغ

014

میں کنجڑا پن نہ ہو بلکہ وہ فطرت و جمال فطرت کی تمام عقل افزا حکمتوں اور گیتی فروز رنگینیوں کو عوام و خواص تک اس انداز سے پہنچائے کہ جو دیکھے وہ مسحور اور جو سنے وہ مسرور اس کے دماغ میں اس قسم کا دھوبی پن نہ ہو کہ وہ دن بھر کسی دفتر میں سر جھکائے مراسلہ۔ آفس کاپی۔ آفس نوٹ نقشہ ڈگری، فیصلہ، اور سمن لکھتا رہے اور شام کو ٹینس اور کرکیٹ کھیل کر آئے اور "پانیر" پڑھ کر جو سوئے تو صبح اس وقت اٹھے جب اسے آفتاب جلانے پر ہی آ جائے اور اس زندگی کو بڑی شاندار زندگی سمجھتا رہے، بلکہ اس کے [illegible] مضمون نگار کے دماغ میں حقائق آگاہی، حکمت آموزی، اور دقیقہ سنجی کی وہ تڑپ پیدا ہو جو مظلوم کی آہ اور شعر سننے والوں کی آہ کے نازک سے فرق کو محسوس کر سکے جو تختۂ دار پر لٹکنے والے کی چین جبیں سے اس کی ہمت یا بزدلی کا اندازہ کر سکے جو صبح صادق کے آسمان تاب اُفق اور اس کی نور اندر نور طلعتوں سے گلزار و گلشن میں سبزہ کے متاثر ہونے کو سمجھ سکے، جو نسیم صبح گاہی کی حیات افروز و حیات آرا موجوں کی نازک لپٹ سے شگوفوں کا کھلنا دیکھ اور سمجھ سکتا ہو جو ان شگوفوں سے نکل کر چمن کو مشکبار بنا دینے والی خوشبو کے اثرات کو محسوس کر سکتا ہو جو شام کے لالہ رنگ اُفق کی اُن نقرئی دھاریوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہو جو شام سیہ کو چند لمحوں کے لئے رنگا رنگ بنا دیتی ہیں جو نقش و رنگ کے نظر نواز نمونے یعنی تتلی کو گلوں اور شگوفوں کی تازہ تازہ پنکھڑیوں پر کپکپاتا دیکھ کر خوش دل و خوش دماغ ہوتا ہو، جو غلامی و عبدیت پابندی و چاکری کی تمام دولت مندیوں اور سرفرازیوں کو ذلت سمجھ کر آزادی و بے فکری

کے لئے دنیا کی ہر مصیبت کو راحت قرار دیتا ہو جو ذہن و دماغ اور عمل و زندگی کی آزادی کی خاطر فقر و فاقہ کشی کو بھی کائناتِ عالم کی تاجداری و اورنگ آرائی تصور کرتا ہو، جو تاج و افسری کے ذریعہ خدا کے بے بس و بے کس بندوں پر جبر و قہر کی حکمرانی کو دنائت و خباثت قیاس کرتا ہو جو آسمان بوس محلات و قصور میں رہنے کے عوض پھوس کے جھونپڑے میں رہ کر آزادی کے وقار کو قائم رکھ سکتا ہو جو عہدے اور افسری کی جلال انگیز وردی کو غلامی و بندگی کا لعنت خیز لباس قرار دیتا ہو جو کوٹھیوں، بنگلوں، اور اٹاریوں پر حریر و دیبا چڑھی ہوئی کرسیوں اور جواہر بار مسندوں پر بیٹھکر "پانیر" اخبار پڑھنے اور اکڑنے کو غلامی کی تقلیدی ادا کہتا ہو جو شاہانِ عالم کی غلامی آموز فیاضیوں سے مرعوب ہونے کو انسانی مجد و شرف اور وقار و الوالعزمی کی توہین قرار دیتا ہو، جو جبر و طاقت اور غرض و آز سے دب کر کتوں اور گدھوں کی طرح مرجانے والے انسانوں سے متاثر ہونے کو انسانیت کی تذلیل کہتا ہو، جو دولت و اقتدار کے نشے سے پھولے ہوئے انسان کو گدھوں اور خچروں سے زیادہ وقعت نہ دیتا ہو، جو بلغم اور خشکی سے اٹے ہوئے متین و سنجیدہ نام کے انسانوں اور ان کے علم اور عہدے کی غرور انگیز گرمی سے بھرے ہوئے دماغوں کا مذاق اڑاتا ہو، جو ہوائی جہاز کے ذریعہ برق و رعد سے بھرے ہوئے بادلوں کو اڑانے والی ہواؤں کا مقابلہ کرنے والوں کے عزم و استقلال اور شجاعت و مردانگی کی عزت کرتا ہو، جو پہاڑوں سے اونچی موجوں والے سمندروں کا طوفانی سینہ چیر کر جہاز چلانے والوں کی ہمت و عالی حوصلگی پر آفریں کے پھول برساتا ہو، جو جنگ استقلال کے

خونبار و خوں ریز میدانوں میں ہنسنے اور قہقہہ لگا کر تلوار چلانے والوں کی خاک پا کو سرمۂ بینائی سمجھتا ہو جو اعلائے حق و صداقت کے حرم میں دار پر مسکرا کر چڑھ جانے والوں کی قسم کھاتا ہو، جو اژدر دہن توپوں اور آتش بار مشین گنوں سے اپنی فوجوں کو ٹکرا دینے والے سردار کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہو، جو فقر و فاقہ کشی اور تنگ دستی و تنگ دامنی سے اپنی معصوم اولاد کو بلکتا ہوا پا کر بھی صبر و خودداری کو ہاتھ سے نہ جانے دینے والے کے غرور پر مرتا ہو، جو اسکولوں اور کالجوں کو جانے والے لونڈوں اور نوجوانوں کی مانگ چوٹی اور زنانہ وضع کی آرائش پر شرم شرم کے آوازے کستا ہو جو عہد حاضر کے زنانِ بازاری کو شرمانے والے نوجوانوں کے گھونگر یالے بالوں، اُستروں، پاؤڈروں، چشموں، اور لوِنڈر سے مزین و معطر چہروں اور بالوں کو انسانیت اور جلال مردانگی کی توہین قرار دیتا ہو جو نوجوان اور شباب سے بے قابو لڑکیوں کے۔ چوپاٹیوں، ہوٹلوں، اور سیرگاہوں میں بے پردہ شوخیاں کرنے اور اٹھلا کر چلنے کو ایشیائی عظمت و عفت کا جنازہ سمجھتا ہو جو سیاست و حریت طلبی کی دنیا میں عہد ناموں، دستاویزوں، لیڈری، اور اخبار نویسی کے ذریعہ غداری، بے ایمانی، اقتدار اندوزی، اور خود غرضی کی تمام ترکیبوں اور گھاتوں کو تاڑ کر ان کے خلاف جہد و احتجاج کو خلاصہ آزادی قرار دیتا ہو۔ جو تصنیفوں، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ انسانوں سے انسانوں کو ٹکرا دینے کو لعنت و شیطنت تصور کرتا ہو۔

یا جو پھر رنجیدہ، ستم دیدہ، غم کشیدہ، اور مصیبت رسیدہ انسانوں کو پر لطف و پر کیف اور خوش دل و پُر جوش بنا دینے والی قوت کا مالک ہو جو ادب و

زبانِ اردو میں اپنی لطافت نگاری اور سحر مقالی کے ذریعہ فصاحت وخطابت کے وہ اچھوتے نمونے جمع کرتا ہو کہ اس کی سطر سطر مذاقِ سلیم اور زندگی کے جواہر لٹاتی ہو جس کے خداساز و خداداد جملوں اور لفظوں میں خروشِ زندگی اور مسرت بار کیفیات کے سمندر موجیں مار رہے ہوں، جس کے ذخیرۂ ادبیات میں اگر ایک طرف مذہب بشری اور عقیدۂ مدنی کی تقدیس وتکریم اور خدا کی آخری عظمت و برتری کی تبلیغ وتشہیر نظر آتی ہو تو دوسری طرف غم والم سے پاک خوشی اور زندہ دلی کو زندہ رہنے کی ضمانت قرار دینے کی تعلیم وتشویق ہو، جو جماعت قوم یا سوسائٹی میں مسرت ہی مسرت اور بے فکری ہی بے فکری کو رواج دینے پر اپنی تمام قوتوں کو خرچ کر رہا ہو اگر اس کے سامنے آ کر اس کی عظمت جناب والدہ صاحبہ یہ فرمائیں کہ

"بھیا آج ہم نے ایک بھینس خریدی ہے چلو تم بھی دیکھ لو"

تو ایمان سے کہیے کہ ایسی صفات والے انسان یا ملا رموزی کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا؟ پس یہ ہے سببِ[1] تالیف بھینس۔"

---

[1] یہ ترکیب دانستہ لکھی گئی ہے۔

بھینس کی تعریف

پس اما بعد یہ کہ اس ذات کی تعریف تو صرف اتنی ہی مشہور ہے کہ بھینس وہ کالا کالا اور بھورا بھورا سا جانور جو ایسا دودھ دے جسے اگر یورپ والے پیالے میں ڈال کر نوش فرمائیں تو مارے جوش کے ایشیا کے ہر ملک پہ تلواریں سونت کر آ پڑیں اور اگر اسی دودھ کو ہندوستانی چائے میں ڈال کر نوش فرمائیں تو مارے غنودگی اور بکواس کے دن بھر ہوٹل سے باہر نہ نکل سکیں لیکن آج تک کسی ایک اہلِ قلم کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس عظیم الشان وجود پہ کچھ لکھتا جسے ہاتھی کی چھوٹی بہن کہا جائے تو غلط نہیں اور لکھنے چلے بھی تو یوں کہ

رب کا شکر ادا کر بھائی　　جس نے ہماری گائے بنائی

ظاہر ہے کہ یہ شعر ایک مسلمان مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم میرٹھی کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے مگر اس میں کسی ہندو بھائی نے ان کی بے خبری میں ضرور تصرف کیا ہے کیونکہ اصل شعر یوں تھا کہ ؎

رب کا شکر ادا کر بھائی　　جس نے ہماری بھینس بنائی

اب دکھا دیجئے اس شعر کو ملک کے ہر سلطان الشعراء کو اگر ایک حرف بھی غلط بتا دے تو اپنی بھینس ہارنے کو تیار ہیں، اس لئے آج کی تاریخ میں ملا رموزی ایک حقیر سی کوشش کرتا ہے بھینس کی منقبت نگاری کی ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف ،

پس آپ تمام دنیا کے ڈاکٹروں، حکیموں، ویدوں، مصوروں اور "چغتائیوں" سے دریافت کیجیے کہ انسان یا حیوان کا "جسمی حسن" کیا ہے ؟ سب متفقہ طور پر یہی کہیں گے کہ جسم کا حسن و جمال یہ ہے کہ اس کے اعضاء میں نہایت درجہ موزونیت ہو جسے "بڑے مولوی صاحب" خدا بخشے "تناسب اعضاء" کہتے کہتے مر گئے۔ مگر انگریزی پڑھے ہوئے مسلمان نہ سمجھ سکے اور ویسے بھی آج کل کے انگریزی پڑھے ہوئے مسلمان اپنی مذہبی زبان عربی کے الفاظ کب سمجھتے ہیں ان سے تو انگریزوں کی ایک ایک حرکت کے معنیٰ دریافت کر لو حفظ بتاتے چلے جائیں گے۔ اور بھی غلام قوموں کی پہچان بھی یہ ہے کہ وہ جس کے ہاتھ میں لاٹھی دیکھتی ہیں اُسی کی بھینس بن کر رہ جاتی ہیں، غرض یہ طے شدہ معاملہ ہے کہ جسم کا جمال صرف اعضاء کا موزوں ہونا ہے لیکن اس ضابطہ سے اگر آپ بھینس پر ایک نظر ڈالیں یا بھینس آپ پر نظر ڈالے تو بس جسمی حسن و جمال اپنا ہی سر پکڑ کر بیٹھ جائے گا۔ مگر آپ کو یہ کمال اس کے اندر نظر نہ آئے گا۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوئی پچاس من گوشت آسمان سے زمین پر یہ کہہ کر پھینک دیا گیا ہے کہ جس طرح تیرا جی چاہے تو جسم بن جا اور اسی قسم کے گوشت کے ڈھیر کا نام لوگوں نے تنگ آ کر بھینس رکھ لیا، یہی تو راز ہے کہ اسے جس طرف سے اور جتنا بھی غور سے دیکھو مکروہ اور بدقوارہ تو نظر آئے گی۔ مگر نظر نہ آئے گی تو حسین و جمیل اور دودھ دیکھو تو کیسا پاک اور نورانی رنگ والا ؟ اب اگر تفصیل میں پڑیئے تو بھینس کی اس "ناچیز کنیز" کے حسن اور اعضاء کا یہ حال کہ اس کی تمام موزونیت

اس کے شکم اور ہاکی کھیلنے کے میدان کے برابر کمر ہی پر خرچ ہو گئی ہے۔ چنانچہ اسکی کمر اور اس کا پیٹ کیا ہے گویا اس کے چھوٹے پاؤں پر اچھا خاصا این۔ ڈبلو۔ آر کا انجن رکھدیا گیا ہو اور اس کے ایک کونے پر گھوڑے کے شکل کی لالٹین لگا کر اس کا نام بھینس کا منہ رکھدیا گیا ہے اس کے سینگ انسان کے لئے تو خنجر اور آفریدیوں کے گورکھوں اور پنجاب کے انگریزی سپاہیوں کا کچومر نکالدینے والے چھرے ہوتے ہی ہیں لیکن حضور عالیہ بھینس صاحبہ جب اپنی کسی بہنگم سی سہیلی کے ساتھ اٹھکھیلیاں فرماتے ہوئے الجھ جاتی ہیں تو آپ بازاروں اور راستہ چلنے والوں کے لٹھ کھائے بغیر سلامتی سے علیحدہ بھی نہیں ہو سکتی ہیں۔ پھر جب موصوفہ ان ناداروں کے بوسیدہ میان نما سینگوں کو کبھی کبھی آراستہ فرماتی ہیں تو اس طرح کہ گندگی اور عفونت خیز پانی اور کیچڑ سے بھرے ہوئے کسی کھڈ میں جاکر بیٹھ گئیں اور کچھ بڑی ہی بدمستی سے سینگوں پر پاؤ پاؤ بھروزن کی کیچڑ لگائے ہوئے وہاں سے جھومتی ہوئی آپ کے صاف ستھرے مکان میں داخل ہو گئیں۔ آپ کے چہرے یا رخ انور نے اس "سینگیاتی حسن" کی دوبالاگی اس وقت قابل ملاحظہ ہوتی ہے جب آپ کسی سہیلی کی جنگ میں اچانک ایک سینگ کی رہ جاتی ہیں، اور جو کہیں آپ کے سینگ درازی اور پیچیدگی کے پیچھے پڑ جائیں تب تو اچھا سے اچھا بہادر انسان بھی ایسی بھینس کو دور سے دیکھ کر چلاتا ہے، بھئی بھاگنا وہ بھینس آرہی ہے۔ اب ان کے دراز تر اور پیچیدہ قسم کے سینگوں سے ان کا اعتماد سعادت مندی بھی جاتا رہتا ہے۔ اب ممدوحہ موصوفہ کو قطعاً کتنی ہی حلیم کتنی ہی بردبار اور کتنی ہی نیک سیرت یا پھر کتنی ہی غبی اور کند ذہن کیوں نہ ہوں

لیکن جہاں آپ نے اپنے ان بے ڈول سے سینگوں کے ساتھ اپنی گردن کو ڈھائی بیل دور تک بھاپ اڑانے والے سانس کے ساتھ مٹکایا کہ مالک بھی کود کر دور اور راستے والے بھی مارے خوف کے ایک طرف گھر والوں میں بے اعتمادی کا یہ حال کہ جہاں آپ گھر میں داخل ہوئیں کہ آوازیں شروع ہو گئیں۔

بھاگو بھاگو ننھے دہ دیکھو وہ کمبخت بھینس آ گئی۔

بس تم اس کے پاس ہی نہ جانا خدا کے لئے دیکھتے نہیں ہو اس کمبخت کے سینگ ہیں کہ تلواریں؛

تو بس کہہ رہی ہوں۔ تم سے کہ تم تو اس سے الگ ہی رہو، اچھی بلا گھر میں باندھی ہے انھوں نے؛

اور میں کہتی تھی کہ دیکھو خدا رکھے گھر ہے۔ بچوں کا مگر وہ کب مانتے ہیں میری بات انھیں تو اپنے بھینسوں والے ملا رموزی صاحب کا مشورہ پورا کرنا تھا۔

اب اگر گھر میں بھینس باندھنے کی جگہ قدرے نامعقول سی ہوئی اور بھینس صاحبہ کو کسی چھپر کے "زیر سایہ برطانیہ" رکھا گیا تب تو سمجھ لیجئے کہ ایک دن یہ بھینس مع پورے گھر کے مصیبت میں گرفتار ہو کر رہے گی۔ یعنی جس دن بھی موصوفہ نے ذرا لاڈ پیار میں آ کر سینگوں کو اس چھپر میں الجھا دیا سمجھ لیجئے کہ اب گھر بھر پریشان ہے یعنی اِدھر تو بھینس صاحبہ ہیں کہ سینگ اُلجھ جانے کے باعث کھڑی چھپر سے دنگل لڑ رہی ہیں اور اُدھر گھر میں عورتیں ہیں کہ کمروں میں بند ہو کر چیخ رہی ہیں ارے خدا کے لئے تمھارے ابا کو بلا لاؤ ننھے،

دیکھو تو وہ بھینس کو کیا ہو گیا ہے جو وہ کود رہی ہے ؟

خدا خیر کرے ادھر وہ دیکھو وہ اس نے چھپر کو گرایا، تو آخر تم دیکھو تو آپا یہ کیا کر رہی ہے ؟

بوی آپا کی تو یہ طاقت نہیں جو اسے قابو میں کر سکے، تو تم ہی چلی جاؤ نا ذرا" اگر میں ڈرتی ہوں تو"

کون بادشاہ ؟

اے میاں ذرا دوڑنا تمہارے بھائی کو بلا لانا کہنا کہ وہ بھینس کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے جلد دوڑو ورنہ وہ ایک آدھ کو مار ڈالے گی،

لاحول ولا آپا ؟

آپ بھی اس قدر بدحواس ہو جاتی ہیں آخر وہ شیر تو نہیں ہے جو کھا جاتی کسی کو۔

غصہ کی بات ہی ہے۔

آخر وہ ملا رموزی صاحب کیا کہتے ہوں گے کہ صاحب کیا عورتیں ہیں ان کے گھر کی اور وہ ویسے بھی اپنے نام کے ملا رموزی ہیں۔ وہ لکھا ہی کرتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے وہ صحابۂ کرام کی بیبیوں ایسی ہمت بہادری، عزت دلیری تو فنا ہو گئی اب ان کی جگہ پمپ جوتے، ریشمی ساڑھیوں، پاؤڈروں اور قسم قسم کی بے حیائیوں نے لے لی ہے اور جو مسلمان عورتیں کبھی میدان جنگ میں تلوار چلانے کے لئے مشہور ہوئی تھیں آج وہ کلبوں، اسکولوں، پارٹیوں، ہوٹلوں اور ناچ گھروں کی زینت بن کر رہ گئی ہیں اور پھر جب وہ وغیرہ وغیرہ

لکھنے پر آتے ہیں تو خدا ہی بچائے اس وقت ان کے قلم کی مار سے۔

تو معلوم نہیں تھا آپ کو تو یہ تو سمجھ لیا ہوتا آپ نے کہ آخر باہر میں مردوں ہی کے پاس بیٹھا ہوؤں گا لہٰذا ایسی کوئی خبر نہ بھیجی جائے جس سے چار بھلے مانسوں میں رسوائی ہو۔

افوہ افوہ کیسی

سچ کہو تو آپ غصہ کرتی ہیں۔

قسم خدا کی ان کی بھی عادت ہے وہ آپ ملا رموزی صاحب کی کتاب "عورت ذات" تو ذرا پڑھوا کر سنئے تب معلوم ہوگا کہ انھوں نے کیسے کیسے بلند خاندانوں کی عورتوں کے بھانڈے پھوڑ کر رکھ دیئے ہیں۔

ارے نہیں صاحب، بھلا ہمارے گھر سے ان غریب کو کیا تعلق وہ تو انھوں نے آج کل کے میاں بیوی کے نئے نئے قاعدوں اور نئے حالات پر اس قدر عمدہ باتیں لکھی ہیں کہ پڑھ کر آپ حیران رہ جائیں گے اور یہ اسکول میں پڑھی ہوئی بعض بے حیا لونڈیوں کی تو وہ گت بنائی ہے کہ میں کیا کہوں آپ سے اچھا اچھا تو آئیے۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ

لیجئے دیکھ لیجئے کہ اس کمبخت کا یہ سینگ الجھ گیا ہے، بس اس کے نکالنے کی یہ کوشش کر رہی ہوگی اور آپ سمجھیں کہ وہ اب کود کر بھاگتی ہے یا گھر والوں کو مار ڈالے گی لاحول ولا اور ویسے بھی آپا انسان کو اتنا بزدل اور ڈرپوک نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کو کیا خبر ہے خدا کی قسم میں تو روزانہ ملا رموزی صاحب

سے اخباروں کی باتیں سُنا کرتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں کہ ہندوستان سے باہر کی مسلمان عورتیں تو اب کفار سے جنگ کے میدان میں ایسی لڑتی ہیں کہ انھیں چھٹی کا کھایا یاد آجاتا ہے۔

ہاں ہاں خدا کی قسم عورتیں لڑتی ہیں۔

تو معلوم کس طرح ہو یہاں یا تو عورتوں کو اس طرح بند رکھتے ہیں کہ وہ بھینس تک سے ڈر کر بھاگتی پھرتی ہیں یا پھر نوجوانی ہی میں ایسی ہڑدنگی بنا کر چھوڑ دیتے ہیں کہ پھر وہ بھی مردوں کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر گھونسے میں کسر اٹھا کر نہیں رکھتی ہیں۔

اب خدا خدا کر کے ایسے سینگوں کو آپ نے سلجھا دیا تو خیر، ورنہ بھینس صاحبہ نے انھیں سلجھانے کے لئے یا اپنے ہاتھ پاؤں زخمی کر لئے یا چھپر کو دس جگہ سے توڑ کر رکھدیا۔ اس کے بعد اگر یہ سینگ بجائے طویل ہونے کے دراز نوکدار واقع ہو گئے تو پھر یہ شہر بھر کے حق میں "آلۂ دھاردار" بن کر پولیس کی "دست اندازی" کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ بھینس، قتل عمد، اقدام قتل اور قتل عام کے ارتکاب سے پہلے اور بعد میں آپ کے لئے مصیبت بنی رہتی ہے ان جرائم کے بغیر بھی وہ اور نہیں تو گھر میں کم از کم گھانس ڈالنے والے کے حق میں اتنی تکلیف وہ تو ہر وقت بنی رہتی ہیں کہ گھانس ڈالتے وقت اگر انھوں نے مذاق سے بھی ذرا گردن مٹکا دی تو گھانس ڈالنے والا دس دن تک، ٹنچر لگانے سے فرصت نہیں پاتا۔ سینگوں کے بعد سینگوں کے بالکل ہی پیچھے حضور عالیہ بھینس صاحبہ دامت حشمتہا کے کان ہوتے ہیں ان کی تعریف یوں سمجھئے گویا دو عدد دیسی جوتے ان کے سینگوں کے نیچے لٹکا دیئے گئے

ہیں۔ جب آپ انھیں پھڑپھڑاتی ہیں تو ان سے وہ مکروہ آواز پیدا ہوتی ہے جو خواجہ حسن نظامی دہلوی کے ہاں کی لاکھوں قسم کی قوالیوں کی موسیقی کو برباد کردیتی ہے۔ اس کے کان ہلانے کی آواز پر آپ کو ہمیشہ شبہ ہوگا کہ پڑوس میں کوئی بیوی اپنے شوہر کو پلنگ کے نیچے بٹھا کر آہستہ آہستہ جوتے مار رہی ہے۔ ساخت اور بناوٹ کے حسن میں ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شریر لڑکے نے نیا جوتا پہننے کے لئے اپنے پرانے دیسی جوتے کو چاقو سے جگہ جگہ سے کاٹ دیا ہو۔ جب یہ کان غصے اور خوف سے جنبش میں لائے جاتے ہیں اسوقت ان کی صورت ایسی ہوتی ہے جیسے اپنے بڑے مولوی صاحب نے بارش میں بھیگے ہوئے جوتوں کو خشک کرنے کے لئے دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا ہو۔

رخِ زیبا پر ایک سرنگ نما ناک ہی کیا کم مصیبت تھی کہ اس پر اس کے نتھنوں میں آپ کا ہر وقت زبان ڈالنا اور نکالنا آپ کا وہ حسین شغل ہے کہ اگر کوئی ایم۔ اے پاس آدمی اپنی ناک میں اس طرح زبان ڈالتا ہوا ملجائے تو بغیر سوال کئے پولیس والے اُسے پاگل خانے پہنچادیں۔ اسی طرح حضورِ عالیہ ممدوحہ کی آنکھوں میں ڈھائی تولہ کیچڑ کا ہر وقت جمع رہنا کھانسی زدہ بوڑھے ادیبوں اور افیونی کی آنکھوں کی یاد تازہ کرکے کھایا پیا خراب کرتا رہتا ہے گر بعض چرواہے اور مالک ان نادر خوبیوں پر بھی اُسے پیار کرتے پائے گئے ہیں اب آپ کی دُم کی طرف آئیے۔ یعنی دم ویسے ہی کہاں کا حسین اور جمال افروز حصۂ جسم ہے جو اس کی تعریف کی جائے۔ پھر اس پر دُم بھی کس کی کہ بھینس کی۔ مثلاً اس کی اسی قباحت کو سوچیئے کہ اگر دنیا کے مشہور و معروف

وزیر اعظم کے کسی جگہ بھی یہ دُم لگا دی جائے تو اس کے رُعب و ظلم سے دبی ہوئی رعایا کا اپنے دُم دار وزیر اعظم کو دیکھ کر کیا حال ہوگا ؟ اماں جوتے مار کر اسی دن نکال دیا جائے گا۔ لہٰذا انھیں دُم کی طرف سے دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوگا گویا کسی کرس کے ہاتھی کا منہ کاٹ کر اس پر ایک دُم لٹکا دی گئی ہے پھر اس دم کی رعنائی اور خوبصورتی کو سمجھنا ہو تو اسے دیکھ لو اور اپنے مولوی صاحب کے رات کے وقت استعمال کرنے والے لٹھ کو دیکھ لو سب سمجھ میں آ جائے گا۔

ہمارے خیال میں تمام دنیا کی دُموں کے مقابل جتنی خرابیاں اور فساد بھینس کی دُم میں پوشیدہ ہیں شاید ہی کسی دُم دار کی دُم کو یہ مقدرت حاصل ہوئی ہو، مثلاً مضحکہ خیز دُموں میں شاید سب سے زیادہ مذاق کے قابل پولو کے گھوڑے کی وہ کٹی ہوئی دم ہوتی ہے جسے لواڑے سے خاصا گٹھا جاتا ہے پھر جب یہ دُم کٹا گھوڑا ہزاروں تماشائیوں کے سامنے اپنے ایم۔ اے پاس پولو سوار کو لے کر نکلتا ہے اور کٹی دم کو مٹکاتا ہے تو اتنی ہنسی خود پولو سوار کو نہ آتی ہوگی جتنی تماشائیوں کو آتی ہے پھر اس "دم کٹے پن" پر یورپ والوں کو دعویٰ ہے کہ ہم ایشیا والوں کو تہذیب و شائستگی سکھانے آئے ہیں ورنہ ہمیں کھانے پینے کو یورپ ہی میں کیا کم تھا۔

اس دُم کے بعد ایک دُم وہ ہوتی ہے جو "انگریزوں کے تقلیدی ڈھانچ" بنے ہوئے ہندوستانیوں کے پیچھے بی۔ اے پاس ہونے کے بعد لگ جاتی ہے اس قسم کا "دمدار بی۔ اے پاس ہندوستانی" اپنے ملک اپنے مذہب اپنی زبان، اپنے لباس اور اپنے جملہ قومی و ملکی آداب و اصول کو ترک کر کے غیروں کا "دم کٹا مقلد" بن کر رہ جاتا ہے۔ اور ایسے ہی "ارباب دم" ہوتے ہیں جو ملا رموزی کے

مقابلہ میں خود کو بڑا ہی جلیل القدر انسان سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ایسے دم داروں کو زبانِ اردو میں نرا یا اکیلا دم دار نہیں کہتے بلکہ محاورے میں اُسے یوں مخاطب کرتے ہیں کہ ہاں جناب فلاں صاحب کے ساتھ تو بی۔ اے کا دُم چھلّا بھی لگا ہوا ہے۔ اس لئے ہماری دُعا ہے کہ خدا اگر کسی ہندوستانی کو عہدے، افسری دولت مندی، اور بی۔ اے یا منشی فاضل پاس ہونیکی دُم عطا فرمائے تو اسے ملا رموزی اور عام انسانوں کے سمجھنے کی توفیق بھی روزی فرمائے ورنہ ملا رموزی کی کتابوں میں قیامت تک دم دار بنا کتب خانوں میں زندہ و سلامت بیٹھا رہے گا اور آنے والی نسلیں اس پر دل کھول کر ہنسیں گی اور کہیں گی کہ اُفوہ ملا رموزی ایسے نکتہ نگار اور رمز آگاہ اہلِ قلم کے مقابل ایسے دُمدار لوگ اکڑتے تھے؟

ان دموں اور دُمداروں کے بعد ملا رموزی کے زمانے میں یعنی ۱۹۳۱ء میں شہر رنگون واقعہ صوبہ، برما سے شائع ہونے والے اردو کے ایک اخبار بنام "شیر" میں ایک صاحب فضل و بصیرت شاعر صاحب نے اپنا تخلص ہی "دمدار" رکھا تھا جن کی ایک رباعی یہ ہے

اپہ برپا چلے دُمدار صاحب ، جلو میں ہے کوئی ہمدم نہ ہمراز
مدیر شیر ہیں ہمراہ اور بس ، کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

الغرض اختصار کی خاطر اب اور تمام دموں کو چھوڑ کر بھینس کی دم پر آجائیے، چنانچہ اس کی ساخت اور بناوٹ ہاتھی ایسے بے ڈول اور قابلِ دید جانور کی دُم سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔ یعنی ہاتھی کی دم کی فربھی اور کرختگی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی مشہور عالم بہادر کمانڈر انچیف کے رُخِ زیبا پہ جم کر پڑجائے

028

تو منٹ سوا منٹ ہی کے اندر بہادر اور کمانڈر انچیف صاحب راہیٔ ملک بقا ہو کر رہ جائیں اور بھینس کی دم میں یہ صفت ہے کہ اسے کھائیے اور بھرے بازار میں ذلیل ہو کر رہ جائیے اس طرح کہ شاید ہی کوئی مبارک گھڑی ایسی ہو گی جب اسکی دُم کا جنوبی حصہ گوبر پیشاب یا کیچڑ سے آلودہ نہ ہو اور اسے گردش سے روکنے کے لئے آج تک کوئی ایسا قانون نہیں بنایا گیا جس میں لکھا ہوتا کہ بھینس کو اپنی گوبر آلودہ دم کو ہلانا چاہیئے یا نہیں اور اگر ہلانا چاہیئے تو کس وقت ہلائے کس طرح ہلائے، کس طرف ہلائے، کس لئے ہلائے، کس شخص کے بالکل ہی منہ کے پاس ہلائے اور کس کی شیروانی سے قریب ہو کر ہلائے، یا کس رفتار سے ہلائے، کتنی مرتبہ ہلائے اور اگر دن رات ہلایا جانا ہی ضروری ہو تو پھر یہ پریوں سے زیادہ حسین اور فیشن سے آراستہ نازنین ہندوستانی لونڈوں اور مردوں کے عین منہ پہ اور وسط بازار ہی میں کیوں ہلائی جائے؟

فطرتاً تو اس دم کا منشا صرف اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ بھینس اپنے جسم پر بیٹھنے والے یا جسم کو کاٹنے والے جانوروں کو بھگا دے اور بس۔ لیکن وہ جسطرح دنیا کے معاملات خصوصاً انسان کی امید کے خلاف اکثر کام ہوا کرتے ہیں اسی طرح ارباب علم و فضیلت نے دیکھا ہو گا کہ جب کوئی کوّا بھینس پر بیٹھ کر اس کے کان کے کیڑے کھاتا ہے یا اس کی کمر پر تفریحاً بیٹھ کر اسے لمبی لمبی تانوں کے ساتھ قوالی سنایا کرتا ہے اس وقت یہ مارے لطف کے آنکھیں بند کئے جگالی فرماتی رہتی ہیں مگر اس کوّے کو ایک دم تو کیا نصف دُم بھی رسید نہیں فرماتی ہیں اور سوٹ پوش ہندوستانیوں کی بازاروں تک میں

029

"توہین بالذم" کرنے سے باز نہیں، اب کوئی اتنا بتائے کہ بازاروں سے گذرتے وقت اس پر ایسے کہاں کے لاکھ دو لاکھ مچھر سوار ہوتے ہیں جو یہ گوبر پیشاب اور کیچڑ سے تھڑی ہوئی دُم کو بڑے کروفر سے ہلاتی ہی چلی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپ کے اس "سلسلہ دُمیانی" سے اچھے اچھے فیشن آلودہ لوگ سڑک پر کھڑے ہاتھ کے رومال سے سوٹ صاف کرتے اور اسے گھور گھور کر کچھ گنگناتے نظر آتے ہیں مگر یہ کمبخت معزور اور بے حس بھینس ان "دُم زدہ لوگوں" سے اتنا بھی نہیں کہتی کہ بھائیو معاف فرمائیے گا۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ آپ کے لباس اور منہ پر پڑنے والی اپنی دُم کو واپس لیتی ہوں" دراں حالیکہ اب الفاظ واپس لینے کا قاعدہ جوتے مار دینے تک کی خطا کو معاف کرا دیتا ہے۔ اب اس دم کی سب سے منطقی صفت یہ ہے کہ لوگوں کے دُم تو مارے بھینس اور گالیاں کھائے چرواہا۔

ابے اندھے کے بچے یہ دیکھ یہ شیروانی کا کیا حال کر دیا تیری بھینس نے،

ابے ہاں دُم ماری ہے اس نے،

اور یہ دیکھ مردود یہ میرے گال پر،

اور جو ذرا نیچے اتر کر پڑتی تو میری آنکھ گئی تھی مردود ابھی، آخر تجھے کس نے اس سڑک سے بھینسیں لیجانے کی اجازت دی ہے،

ابے گالی نہ دوں تو کیا دُعا دوں تجھ کو خبیث کہیں کے،

کیا کہوں بھائی صاحب خدا کی قسم تمام نمازی کپڑے پلید کر دیئے اس اندھے کی بھینس نے؟

ارے بھئی تو ڈھونڈ ہی رہا ہوں اس کو،

مگر سنئے تو خاں صاحب میرا تو یہ کہنا ہے اس سے کہ تو اس سڑک سے کیوں نہیں لے جایا کرتا ہے آخر؟

اچھا اچھا چل جا،

مگر دیکھ کل سے اسی سڑک سے لے جانا بچہ۔ اچھا،

جی ہاں صاحب بھینس نے دُم ماردی ابھی،

نہیں صاحب! تو گھر جا کر کپڑے بدلنا ہی ہوں گے، اور کیا خبر کہاں کہاں چھینٹیں پڑی ہوں؟

اور بعض لوگوں کو تو مُلّا رموزی نے یوں بھی دیکھا ہے کہ جہاں ان کے منہ پہ یا کپڑوں پہ بھینس کی دُم پڑی کہ انہوں نے چمک کر چرواہے کے اس زور سے دھپ رسید کیا کہ بے چارہ کی پگڑی سڑک پہ اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا حالانکہ لکھے پڑھے لوگوں کو بھینس کی دُم اور اس کے چرواہے کے متعلق سعدی صاحب صاف صاف الفاظ میں سمجھا گئے تھے کہ دیکھو بھائیو ؎

دمِ بھینسش نہ از پئے کیں است   مقتضائے طبیعتش ایں است

بہرحال خدا یورپ والوں ہی کو بھینس سے قریب رکھے کیونکہ ہم آپ ایسے لاغر، قحط زدہ تین پیسہ میں ایک کارڈ خریدنے والے ہندوستانی تو بھینس کی پیار بھری دم کے بھی متحمل نہیں ہو سکتے اماں اس سے زیادہ خواری اور رسوائی کیا ہو گی کہ ایک تو پٹے بھینس کی دُم اوپر سے مذاق اڑائیں اور قہقہے لگائیں دکانوں پہ بیٹھنے والے غنڈے اور گھر کے بچوں کے حق میں تو یہ دُم اچھی نہ تھی

ضرب شدید بہ دُم بذریعہ بھینس، بوقت چہ بدن کاہ بجانہ خود" والی دفعہ ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس قانونی ضرب شدید پر اگر آپ کسی ڈاکٹر کے پاس طبی سند لینے جائیں تو ڈاکٹر اُلٹا ہنسے گا مگر سند نہ دے گا۔ گدھا کہیں کا۔

غرض یہ ہے حضور بھینس صاحبہ مدظلہا کے جسم گرامی کا وہ "حصہ جنبان" جس سے اشرافِ شہر کی آدھی عزت ہر وقت خطرہ میں رہتی ہے مگر بھینس صاحبہ ہوتی ہیں کہ ایسے مٹکائے بغیر رہ نہیں سکتی ہیں۔ بے عقل کہیں کی"۔

اب دُم سے اتر کر ان کی سیمنٹی عرف جلد کی ملاحت بھی ملاحظہ فرمائیے یعنی کسی دن مارے پیار کے اگر آپ ان کے جسم نازنین پہ ہاتھ رکھدیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ یا تو اچانک ہاتھ شل ہوگیا، یا تمام ہاتھ پر بے شمار چیونٹیاں چڑھ گئی ہیں اور رینگ رہی ہیں، اچھا ان کے چمڑے کی تمام خوبیوں پر لعنت بھیجکر صرف یہی خوبی ملاحظہ فرما لیجئے کہ دنیا کے کتنے جانور ہیں جن کے چمڑے سے، سوٹ کیس، سگار کیس، گھوڑوں کی زین اور تلواروں کے میان تیار ہوتے ہیں مگر ایک علیا حضرت بھینس صاحبہ کا چمڑا ہے جو صرف جوتے ہی کے کام آتا ہے اور بس، ممکن ہے کوئی ایم۔ اے پاس نمازی اس کے چمڑے کی جانماز بنالیتا ہو مگر ہم نے کسی شخص کے پاس بھینس کے چمڑے کی جانماز نہیں دیکھی اور ویسے بھی ایم۔ اے پاس مسلمانوں کے پاس جانمازوں کا خرچ ذرا کم ہوتا ہے۔

اب دنیا میں "ہر ذی دُم" کے لئے آنکھ تمام جسم کا حسن آخر قرار دی گئی ہے اور کیا شک ہے کہ "چشم خمار آگیں سرمگیں" "چشم نیم باز" اور "چشم غزال" ایسے حسین وجمیل ناموں سے شعراء ہند و فارس نے آنکھ کی تعریفیں لاتعداد

شعر کہے ہیں خصوصاً رئیس الادبا رحضرت خواجہ بدرالدین چاچی رحمۃ اللہ علیہ نے جو وقت کے سب سے نامور تشبیہ نگار استاد ہو گزرے ہیں آنکھ کو ذیل کے جمال آرار الفاظ و استعارات سے نظم فرمایا ہے جن کی ادبیت، شعریت اور لطافت پر فارسی ادب جتنا فخر کرے کم ہے مثلاً آنکھ کو بادام، ترکِ ت صاد، کاسۂ لعل، کاسۂ نقرہ، طاس سیمگوں، اور نرگس شوخ" وغیرہ لکھا ہے لیکن ان ادب افروز تراکیب و تشبیہات کے ساتھ اگر بھینس صاحب کی آنکھوں کے وحشت خیز و وحشت ناک حسن کو بھی شامل کر لیا جائے تو ٹاٹ میں مخمل کے پیوند کی مثال صاف صورت میں سامنے آجائے گی خصوصاً آپ کی آنکھوں کا حسن اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جب آپ اپنی طرف کسی اجنبی سی چیز کو آتا دیکھ کر کان سیدھے فرما کر غور سے ملاحظہ فرماتی ہیں بس اسوقت ایسا ہی معلوم ہوگا گویا کوئی خوفناک بھوت آپ کو کھا جانے کے لئے کھڑا تاک رہا ہے اسی لئے ان آنکھوں کو "دیدے" کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، اب بھینس کے لب و دہن اور رخساروں کے حسن کا مقابلہ کرنے کے لئے خواجہ چاچی کی تشبیہات کو پھر ایک مرتبہ ملاحظہ فرما لیجئے چنانچہ خواجہ صاحب نے رخسار کے لئے سحر سیمن زار صفحہ گلنار، دائرۂ قمر" دہن کے لئے نقطۂ نعلین، لعل درپاش، عناب، عقیق، افعی زمردین، درجِ گوہرین، چشمِ ندرو، پستہ مرجان، پستۂ شور، اور لب کے لئے خوں بستہ، ورق لالہ، شکر، اور آتش گویا ایسے الفاظ وضع کئے ہیں لیکن ان شکر بیز و شکر ریز اور جاں لطافت تشبیہات کے مقابل بھینس صاحبہ کے ہونٹ جو بار، اور جگالی کرنے والے دہن کا تصور فرما لیجئے او صبر کر کے بیٹھ جائیے۔

حرکات

آپ کی حرکات بھی ایک طرح کا تھیٹر کا تماشہ ہیں، مثلاً سب سے پہلی آپ کی جس حرکت سے اصحاب ذوق کی بدنصیب آنکھیں دوچار ہوتی ہیں وہ آپ کی "جگالی" ہے چنانچہ دور نہ جائیے صرف اتنا ہی سوچ لیجیے کہ اس حرکت کا جو نام تجویز کیا گیا ہے وہی کہاں کا شیریں اور فصاحت آرا نام ہے جس کے اندر کسی حسن مزید کی تلاش کی جائے، چنانچہ اس حرکت سے بھینس صاحبہ کے چہرے اور دہنِ اقدس کا جو حلیہ بنتا رہتا ہے بس اُسے دیکھیے اور ان کے غبی فطرت ہونے پر روتے رہیے، پھر اسی طرح سے "لعاب دہن" کا مسلسل اخراج جس درجہ بھی امتلا آور معاملہ ہے بھینس والے ہی اُسے سمجھا سکتے ہیں یا محکمہ حفظانِ صحت، اب اس دہن رنگین سے آپ کے سانس کی آواز ایک طرفہ مصیبت ہے۔ خصوصاً جاڑے کے موسم میں اس سانس کا آپ کے دونوں نتھنوں سے اخراج اس شک میں ڈال دیتا ہے کہ یہ کوئی بھینس سانس لے رہی ہے یا کسی دیسی کپڑا تیار کرنے والے کارخانے کے پاس ہم کھڑے ہیں جس کے انجن کے ہر حصہ سے بھاپ خارج ہو رہی ہے۔ پھر اگر یہی ہوتا تو شاید غنیمت تھا لیکن اسی سانس کو آپ رات کے اس حصہ میں سن لیجیے جب آپ گہری نیند میں کبھی خوفناک خواب سے ڈر کر بیدار ہو رہے ہوں اور ادھر بھینس صاحبہ نے پوری قوت سے سانس کو خارج فرمایا ہو تو بس آپ کو اتنا اور چلانا پڑے گا۔ کہ

"ارے دوڑ نا کھا لیا" ان حرکات میں آپ کی یہ صفت بھی شامل ہے کہ آپ انھیں دس برس تک کافی سے زیادہ لاڈ پیار سے پرورش فرمائیں لیکن ان کے مانوس ہونے کے مراتب بھی وہی ہیں جو انگریز بھائیوں کے ہندوستانیوں سے مانوس ہونے کے ، یا ہندو مسلمانوں کو انتظام حکومت میں حصہ دار بنانے کے لئے گاندھی جی نے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں پیش کئے تھے یعنی جس مطالبہ کو چاہا قبول فرمایا باقی کو لات ماری اور پھینک دیا ، اسی طرح یہ بھینس ذات ہیں کہ آپ انھیں اپنے گھر میں باندھیے ان کی تواضع کرتے رہیئے ۔ لیکن ان کا جس دن جی چاہے گا اسی دن یہ ایک منٹ میں آپ کے کسی معصوم اور کمسن جگر گوشے اور نور چشم کی ٹانگ توڑ کر رکھ دیں گی ۔ پھر اس نقصان رسانی کے بعد آپ بچے کی بیمارداری میں دو مہینے تک شفاخانے میں پڑے رہیئے اور یہ اسی بے فکری سے آپ کے گھر میں بندھی گھانس دانہ کھاتی رہیں گی ، اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی کہ یہ آپ کے بچے کی ٹانگ بھی توڑ دے گی اور پھر آپ ہی کے گھر میں عمر بھر دندنائے گی کیونکہ آج تک کسی ایک بھینس کے متعلق یہ نہیں سنا کہ اسے کسی کی ٹانگ توڑ دینے کے جرم میں دس سال قید با مشقت کی سزا ملی ہو ، یہ حرکت تو تھی ۔ ان کے اس وقت کی جب یہ آپ کی کہی جانے لگی تھیں اور عرصہ سے آپ کی نمک خوار اور گھانس خوار ہو چکی تھیں ، لیکن اگر ان کی ابتدائی حرکات کو دیکھا جائے یا دیکھ لیا جائے تو خریدتے وقت ہی شریف لوگ تو چلا کر کہہ دیں گے کہ رہنے دیجیئے بھائی صاحب ایسی بھینس کے خریدنے ہی پر لعنت جو بازار سے گھر تک

جاتے جاتے ہی دس بھلے مانسوں کی آبرو خراب کردے، مثلاً کیا آپ نے ایک مرتبہ بھی بازار میں نہ سنا ہوگا کہ۔"

بھائی صاحب ہٹ جائیے گا ذرا بھینس آرہی ہے،

افوہ خدا نے بڑی خیر کی،

خدا کی قسم بال بال بچ گیا،

آخر یہ کس کی بھینس ہے؟

تو کیا انھیں یہی راستہ ملا تھا لانے کو؟

اچھا اچھا ملا رموزی صاحب نے خریدی ہے،

ہاں تو یوں کہو کہ نئی ہے۔ ابھی خریدی ہے۔

مگر صاحب بلا کی غصہ ور بھینس ہے،

خدا ہی حافظ ہے میں تو کہتا ہوں کہ گھر تک جاتے جاتے دو چار کو زخمی کردے۔

اونھ دیکھنا وہ بپھر کو رہی ہے،

لاحول ولا ایسے جانور کا پالنا ہی کیا ضروری ہے؟

اب اگر اس حالت میں یہ بھینس کسی کانگریسی جلسے یا رضاکاروں کے ہجوم یا چاندنی چوک میں بدک جائے تو پھر خدا ہی حافظ ہوتا ہے۔ اپنی رعایا کا پولیس کے تو بس کا نہیں کہ وہ بھڑکی ہوئی بھینس سے رعایا کو بچالے، بس یہی دیکھا ہے کہ تمام بازار ہے کہ بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔ لوگ ہیں کہ ایک کے اوپر ایک ہو کر چڑھے جارہے ہیں، بازار کی جس دکان پر دیکھو دو چار ہندوستانی بہادر بھینس کے ڈر سے منہ کھولے کھڑے ہیں، خود نئے خریدار صاحب ہیں کہ

اپنا اصل حلیہ بگاڑے ہوئے کبھی اُسے چمکارتے ہیں کبھی ڈانٹتے ہیں کبھی مارتے ہیں اور کبھی کبھی رسی چھوڑ کر خود کسی دُکان پہ پڑھ جاتے ہیں۔ کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ رسی ہاتھ سے چھٹ جانے کے بعد آگے بھینس اور پیچھے نئے خریدار صاحب ہیں کہ بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ اب بھینس اور خریدار کی اس "گھوڑ دوڑ" میں بھینس کا کام تو صرف یہ ہے کہ وہ منہ سے ایک بار وہ سی آواز نکالتی ہوئی بھاگی چلی جائے لیکن تعاقب کرنے والے خریدار پہ پولیس کا یہ قانون بھی سوار رہتا ہے کہ وہ بھینس کو قابو میں لانے کے لئے بھینس کی رفتار سے زیادہ تیز رفتار سے بھاگے بھی اور اس ہوش رُبا رفتار میں وہ چلا چلا کر یہ بھی کہتا جائے اور بھاگتا جائے۔

ارے بھئی ہٹنا بھینس آ رہی ہے ،
بچنا بھائی جان ،
ہوشیار ہوشیار ، دیکھنا دیکھنا ،
لونڈے لونڈے ہٹ ہٹ ،
بچنا بھائی میرے ،
بس بس ، کھڑی رہ ،
لے بیٹا لے ،
بس بھئی بس ،

اب پولیس والوں کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ جب کوئی ملا رموزی کسی بھڑکی ہوئی بھینس کی رفتار سے اپنی رفتار ملائے گا تو اس وقت اس

غریب کا سانس اتنا قابو میں کہاں اور کس طرح رہے گا کہ وہ حفظ امن کی خاطر مذکورہ بالا قسم کے نعرے بھی لگاتا جائے اور بھاگتا بھی جائے ؟

اس پر کہتے ہیں کہ پولیس والوں کی تنخواہوں میں اضافہ کردو ؟

اب جونہی بھینس صاحبہ نئے خریدار صاحب کے قبضہ سے نکل کر فرار ہوں گی تو بغیر کسی پاسپورٹ اور پروانہ راہداری کے سیدھی اپنے گاؤں میں جاکر دم لیں گی آپ ہیں کہ راستہ کے لوگوں سے ہانپ ہانپ کر کہہ رہے ہیں۔

کیوں بھئی اس طرف ایک بھینس تو نہیں گئی ؟

اجی ابھی ابھی بھاگی ہے وہ چاندنی چوک کے قریب سے ،

جی ہاں آج ہی خریدا تھا میں نے اس کو ،

نہیں کالی ہے بالکل ،

جی ہاں بڑے بڑے سینگ ہیں ،

جی ہاں گلے میں رسی بھی اُلجھی ہوئی ہے اس کے ،

جی ہاں جی ہاں پیشانی پر چاند بھی ہے اس کے ،

جی ہاں سیدھا کان ذرا کٹا ہوا ہے اس کا ،

تو پھر کتنی دیر ہوئی ہوگی اُسے اس طرف سے گزرے ؟

اچھا تو کیا بھاگتی ہوئی ہی جارہی تھی وہ ؟

تو کیا یہی راستہ جاتا ہے سیدھا ؟

تو کیا ہوگا یہاں سے کوئی چار میل وہ گاؤں ؟

ارے بھئی کیا کہوں آپ سے وہ لونڈے کے کہے پر میں اس حماقت میں

مبتلا ہو گیا، ورنہ میں کہاں اور بھینس کہاں۔ کمبخت،

تو کیوں جناب اس طرف کوئی لاری بھی نہیں چلتی؟

لاحول ولا قوۃ

اب جو دیہات کی خاک اڑاتے آپ اس کے "وطن نما گاؤں" میں پہنچے تو دیکھا کہ سینگوں میں یا گلے میں آپ کی رسی بدستور سابق موجود ہے۔ اور بھینس صاحبہ نہایت اطمینان سے سابق مالک کا گھانس کھانے میں مصروف ہیں، اب اگر اس عرصہ میں سابق مالک بھی اپنے گاؤں میں پہنچ گیا ہے تو اس سے بجائے معانقے اور مصافحے کے آپ کو کہنا پڑے گا۔

بس لعنت ہے اس بھینس پر،

اے بھائی وہ میری پریشانی تو ایک طرف میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی نے خیر کی ورنہ اس نے بازار میں آج ایک دو کو زخمی کر دیا ہوتا تو اس وقت میں کوتوالی میں بند ہوتا،

غرض خدا خدا کر کے اب انہیں گاؤں سے پھر لے کر اب جو شہر کی طرف روانہ ہوئے تو انھوں نے پھر اسی اچھل کود سے کام لینا شروع کیا اور آپ نے لٹھ بازی سے، اب اس طرح میل دو میل تشریف لے آنے کے بعد اگر آپ کے ہاتھ سے پھر رسی چھوٹ گئی تو سمجھ لیجئے کہ پھر اتنی زمین آپ کے لئے گول ہو جائے گی کبھی اس "بھینسیانہ سول نافرمانی" کی روک تھام کے لئے اسے کسی آنے والی بیل گاڑی سے بھی باندھ دیتے ہیں اور خود خریدار صاحب اس گاڑی میں بیٹھ جاتے ہیں تا کہ اس گاڑی کے ساتھ آپ مال گاڑی کا کالا ڈبہ بنی ہوئی چلی

آئیں، لیکن یہ بھی دیکھا ہے کہ گاڑی سے مضبوط باندھنے پر بھی یکایک جو آپ نے گاڑی پر سر مارا تو آپ بھی کود کر نیچے اور بیل بھی مع گاڑی کے بدک کر سڑک کے کنارے، اب اگر وہ کسی نہ کسی طرح آپ کے "غریب خانہ پر قدم رنجہ ہو ہی گئیں تو دعا فرمایئے کہ اب ایک مہینے تک خدا گھر والوں کو ان کی اُچھل کود اور قلا بازیوں سے محفوظ رکھے اور اگر سب طرح سے یہ "عافیت پسند" اور "صلح جو" بن گئیں تو نہایت خوشی اور مہربانی کے عالم میں آپ کے منہ پہ یا پیٹ پہ، یا پاؤں پہ ان کا اچانک لات رسید کر کے پھر گھانس کھانے میں مصروف ہو جانا تو کہیں گیا ہی نہیں ہے۔ اب مصیبت یہ ہے کہ ایک مانوس بھینس کی اس "لات بازنی" کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے کوئی "خطرہ کی گھنٹی" تو بجائی نہیں جاتی لہذا عمر بھر آپ بھی خطرہ میں اور ننھے میاں کی والدہ بھی خطرہ میں اسی لئے تو یہ اسکول کی ہڑدنگیاں بھینس کا نام سنکر "ادئی آیا" کہکر کمرہ میں بھاگ جایا کرتی ہیں، اس لات کا لطف اسوقت زیادہ قابل ملاحظہ ہوا کرتا ہے جب مالک کا برتن اس کے دودھ سے لبالب ہو چکا ہو کہ یہ لات رسید کرے، پھر دیکھئے کہ ایک طرف مالک صاحب پڑے کراہ رہے ہیں اور دوسری طرف "جوئے شیر" رواں ہے پھر لطف بالائے لطف یہ کہ اس ذلت انگیز لات اور دودھ کے ضائع جانے پر بھی آپ بھینس صاحبہ کو گولی نہیں مار سکتے اور نہ گالی دے کر اسے اذیت پہنچا سکتے کیونکہ کسی ایک زبان میں بھی آج تک کوئی ایسی سیدھی گالی وضع نہیں ہوئی جسے بھینس سمجھ کر رنجیدہ ہو سکے۔ لہذا جب بھینس گالی کے معنی اور اس کی

تحقیر کو سمجھ ہی نہیں سکتی مگر آپ ہیں کہ لات کھا کر اُسے برابر گالیاں دے رہے ہیں تو کہیئے کہ لات کھا کر بھی آپ ہی بے وقوف رہے یا بھینس ؟ اب ان "اندرونی حرکات" کے بعد ذرا ان کی "بیرونی حرکات" ملاحظہ فرمائیے مثلاً دنیا میں ہر جانور کے لئے ایک چراگاہ خاص ہوا کرتی ہے مگر بھینس کی چراگاہوں کی وسعت ہی نرالی ہے یعنی فرض کیجئے کہ آپ کی بھینس چراگاہ کو جس راستہ سے جاتی ہے اس کے بیچ میں کسی ڈپٹی کلکٹر، انسپکٹر، یا کسی قسم کے بھی "ٹر" کی ایک کوٹھی بھی ہے اور پائیں باغ بھی اور جب سے ہندوستانیوں پر انگریزوں کی غلامی مسلط ہوئی ہے اس وقت سے ان کے اندر "عمارتی تقلید" کا بحران بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا یہ ہر طرح پائیں باغ بنا کر رہتے ہیں اس لئے اس فردوس آفریں باغ میں آپ کی یہ بھینس بغیر "وزیٹنگ کارڈ" بھیجے ایک دن یوں داخل ہو جائے گی گویا یہ باغ اس کے باپ کی جائیداد ہے اور دیکھ لیجئے گا کہ باغ کے اندر یہ حد سے زیادہ اطمینان سے کھڑی کلکٹر صاحب کا باغ چر رہی ہو گی، اور پھر یہی نہیں کہ اس باغ میں بڑی احتیاط سے صرف گھاس ہی گھاس چر رہی ہے بلکہ کلکٹر صاحب کی خاص پسند کی ترکاریاں پہلے کھائے گی۔ بعد میں گھاس، نتیجہ یہ کہ بھینس ہر حال میں ہندوستان کی ہوتی ہے اور کلکٹر صاحب میں جو انگریزی پن ہونا جو ضروری قرار دیا گیا ہے تو اب وہ کاہے کو چوکتے ہیں۔ آپ کے نام سمن جاری کئے بغیر اور مقدمہ دائر کئے بغیر لہٰذا باغ میں تشریف لے گئی تھیں بھینس صاحبہ اور سمن آگیا۔ آپ کے نام کہ

ہرگاہ عدالت میں مسمیٰ این، ڈبلو، آر، ولد جی آئی، پی آر

ڈپٹی انسپکٹر قوم غلام ہندونی صرف نخرہ اور وضع انگریزی تمہارے خلاف اس عنوان سے مقدمہ دائر کیا ہے کہ مدعی کی کوٹھی جس کا نام اس نے ہندوستانی ہونے پر بھی این۔ ڈبلو۔ آر لاج رکھا ہے واقع جیکب روڈ جو ہندوستانی سڑک ہونے پر بھی ایک انگریز کے نام سے منسوب ہے کے اس نے باغ کے اندر جس کے وسط میں ایک ٹینس کھیلنے کا میدان محض اسلئے بنایا گیا ہے کہ انگریزوں کی غلامی اور تقلید کا ہر طرح اعلان ہوتا ہے اور جس پر کبھی کبھی کیا بلکہ ہر شام کو فیشن زدہ ہندوستانی ہڑدنگیاں کودتی ہوئی نظر آتی ہیں اور جسے تہذیب جدید کے بے حیا ماہرین نے ورزش نام دیا ہے۔ اس کے اندر تمہاری ایک راس بھینس رنگ سیاہ دُم صراحی نما سینگ لمبے اور آخر میں قدرے نوکدار بایاں کان کٹا ہوا داخل ہو گئی جسے انسپکٹر کے ملازم نے دیکھا جو ٹینس کے کھیل کے وقت لڑکیوں کے پاس رہا کرتا ہے اور چھنو نامی چپراسی نے بھی دیکھا جو سرکاری ملازم ہونے پر بھی انسپکٹر کے گھر کی چوکیداری کرتا ہے اور کوئی پرسش نہیں ہوتی۔ پس جب ان دونوں آدمیوں نے اسے بھگانا چاہا تو وہ ان پر اپنے نوکدار سینگوں سے حملہ آور ہوئی اور چونکہ ہندوستانیوں کی قوت مقابلہ اور قوت تیغ آزمائی فیشن کی نزاکتوں میں صرف ہو چکی ہے۔ لہٰذا ان دونوں مردوں نے خود کو بھاگ کر اس سے بچایا اور

ٹینس کھیلنے والی لڑکیاں بھی اوئی کہکر بھاگ گئیں ورنہ قریب تھا
کہ تمھاری بھینس سے ضرب شدید کا ارتکاب عمل میں آتا۔ لہٰذا
ذریعہ سمن ہذا نمبری ۹۷۴ حسب دفعہ ۵۳۷۹ ضمیمہ حرف الف
ضمن ۱۱۴ قانون تعزیرات بھینس تمھیں پابند کیا جاتا ہے کہ تم مورخہ
ایک دسمبر ۱۹۳۱ء کو ٹھیک بوقت نواخت بارہ بجے کہ نصف
جس کے چھ بجے سکہ شاہی ہوتے ہیں عدالت ہذا میں اصالتاً
اور چاہے روپیہ ہو یا نہ ہو مگر وکالتاً حاضر ہو کر جواب دو کہ کیوں نہیں
تمھارے خلاف زیر دفعہ ۱۰۷ ایکٹ نمبر ۵۷۹۰ مجریہ ۱۸۵۷ء
جب کہ انگریزوں کو ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوئی تھی بسلسلہ
بد احتیاطی کارروائی کی جائے؟ تاکید جانو ورنہ تمھارے حق میں
بغیر تمھاری غیر حاضری کی وجہ دریافت کئے وارنٹ نمبری ۹۵۰
منظور شدہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل جاری کیا جائے گا۔ آج
میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری ہوا۔

(مہر عدالت) دستخط حاکم بخط انگریزی مگر قوم ہندوستانی

اب اگر یہ ہی ہوتا کہ بھینس کو گرفتار کر کے اسے قید بامشقت کی سزا دے دی جاتی یا یہ تمام عدالتی کاغذات اسی کے نام اور ولدیت پر جاری ہوتے تو بھینس کا پالنا شاید اتنا گراں نہ گذرتا۔ لیکن یہ ہے چونکہ انصاف کہ ترکاریاں کھائے بھینس اور سزا پائے مالک اور چرواہا لہٰذا آپ کے نام تو آیا صرف سمن اور وہ چرواہے صاحب کو پہلے تو پکڑ کر خوب سا ٹھونکا انسپکٹر صاحب کے چوکیدار نے اور

اس کے بعد انسپکٹر صاحب کے ایک خط کے ساتھ جو چرواہے کو پہنچایا گیا کوتوالی میں نواب ہندوستانی نسل کے کوتوال صاحب کا ہے کو قابو میں رہتے ہیں لہذا پہلے تو چرواہے صاحب سے ذیل کی گفتگو شروع فرمائی کہ

اچھا تیری ماں کا ......،

اب بتاتا ہوں تجھے اور تیرے ملا رموزی صاحب کو ،

ارے کوئی ہے پہرے پر ؟

ذرا لانا میرا بید ؟

ٹھیر جا تیری بہن کا ......،

اچھا بھئی چوکیدار تو تو جا ،

اور دیکھ وہ انسپکٹر صاحب سے میرا بہت بہت سلام کہنا اور کہنا آپ اطمینان رکھیں میں اس کو آج ہی پہنچائے دیتا ہوں بڑے گھر کیونکہ میں ہوں ہر حال میں ہندوستانی خون کا کوتوال ، لہذا میرے پاس کسی انسپکٹر صاحب کی سفارش کا خط آجانے سے میرا جو حال ہوا ہے وہ قانون میں کسی ایک جگہ بھی نہیں لکھا صرف چرواہے کو جو شدید تکلیف پہنچاؤں گا اس سے ثابت ہوگا کہ ہندوستانی لوگ اپنے ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ساتھ کیا نفیس سلوک کرتے ہیں ،

اب رونا کیا ہے حرام زادے ؟

ابھی معلوم ہوا جاتا ہے بھینس چرانا تجھکو ،

لاؤ جی منشی جی پہلے تو اس کا چالان درج کرو دفعہ ۱۰۹ کے تحت اور

پھر ذرا اسے اندر لیجا کر اس کا مزاج تو پوچھو اس سے ،

ہاں اب چلاتا ہے مردود !

اور اس وقت نہ سوچا جب ہمارے انسپکٹر صاحب کا باغ تیری بھینس برباد کر رہی تھی ،

واضح ہو کہ یہ تمام مصائب و مشکلات قانونی الفاظ میں صرف "بد احتیاطی" کے نام سے یاد کئے گئے ہیں اس لئے بے موقع نہ ہوگا اگر اس سلسلہ سے دو قطعہ وارنٹ یا نوٹس یا اطلاعنامے آپ کے نام اور جاری کر دیئے جائیں، یعنی جب آپ کے گھر میں بھینس ہوگی تو لامحالہ اس کے "بیت الخلا" والے معاملات کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ لہٰذا چند دن بعد ہی آپ کے نام محکمہ حفظان صحت کی طرف سے ایک تحریر آئے گی کہ

از حفظان صحت ،

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے جس کی تصدیق تمہارے محلہ کے چند آوارہ گرد، اور غنڈوں نے بھی کی ہے کہ تمہارے ہاں ایک راس بھینس ہے اس کے بول و براز کی مقدار چونکہ عام انسانوں کے بول و براز سے زیادہ واقع ہوتی ہے۔ اور تم اس کی صفائی خاطر خواہ محکمہ نہیں کرتے ہو جسکی وجہ سے اس کی غلیظ ہوا کے ساتھ اس کے جراثیم تمام محلہ میں اڑ کر یا پھیل کر یا پراگندہ ہو کر یا پریشان ہو کر محلہ کے مکانوں اور مکانوں کے برتنوں میں داخل ہوتے ہیں۔ نیز ایک راس نر گاؤ اور

ایک ماتا گائے جسے ہندو لوگ عزت کی چیز سمجھتے ہیں جب اس بول و براز میں اپنے بول و براز کا اضافہ کرتے ہیں تو ان کے جراثیم سے محلہ میں وبائی امراض کے پھیلنے کا احتمال قوی ہوتا ہے۔ لہٰذا تمکو ذریعہ نوٹس ہٰذا مطلع کیا جاتا ہے کہ تم اندر میعاد ایک ہفتہ نر گاؤ اور گائے خود کو فروخت کردو تاکہ ہندوؤں کی دل آزاری نہ ہو یا پھر اپنی بھینس کے گوبر کو ڈاکٹر انکار پرشاد صاحب کے معائنہ میں لاؤ جن کے معائنہ کی فیس مبلغ دس روپیہ بھی ساتھ ہی تم کو داخل کرنا ہوگی اور ڈاکٹر صاحب کا اس قسم کا سرٹیفکٹ بھی ہمارے ہاں داخل کرو جس میں وہ بتائیں کہ ہاں تمہاری بھینس کے گوبر سے کسی عام وبا کے پھیلنے کا احتمال نہیں ہے۔ یا پھر تم اپنی بھینس کو اس طرح رکھو کہ وہ بول و براز نہ کر سکے اور جو کسی دفعہ کے تحت بول و براز سے باز ہی نہ آئے تو ایسی تدبیر عمل میں لاؤ جس سے محلے کے غنڈوں کو تم سے شکایت پیدا نہ ہو کیونکہ اس قسم کی شکایتیں اشراف نہیں کرتے صرف غنڈوں کا یہ پیشہ ہوتا ہے کہ وہ محلے کے اشراف کو تنگ کرتے رہنے کو اپنی خاندانی شرافت سمجھتے ہیں بصورت عدم تعمیل تمہارے خلاف حسب دفعہ ۳۴/۷ ضابطہ بھینس منظور شدہ نومبر ۱۹۳۱ء مجریہ ایک دسمبر ۱۹۳۲ء کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

تاکید جانو۔ فقط   دستخط حاکم اعلیٰ.... حفظان صحت، بخط انگریزی

۔ ٹوپی انگریزی بصورت خالص غلام مشتاق

اب اگر اس عرصہ میں آپ نے بھینس کی قیام گاہ کی کافی صفائی کے خیال سے یا مکان کی تنگی سے تنگ آکر یا محض سردی کی شدت سے کسی دن بھینس کو مکان کے سامنے باندھ دیا تو دوسرا نوٹس اس مضمون کا آپکے نام آئیگا کہ

ہرگاہ کہ ہمارے پاس تمہارے محلے کے چند اوباش فطرت اور کمینہ خصائل لوگوں نے اطلاع پہنچائی ہے کہ تم نے کل سے اپنی بھینس کو سرکاری رقبے میں بغیر حصول اجازت باندھنا شروع کیا ہے، چونکہ یہ قبضہ حسب منشار قانون آراضی منظور شدہ گورنر جنرل باجلاس کونسل دفعہ ۹۹۴ قانون آراضیات مجریہ ۱۹۳۱ء کے خلاف ہے جس سے سرکاری نقصان متحمل و متصور ہے، نیز اس سے شارع عام کی رونق کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے تم مورخہ ۱۷ر نومبر ۱۹۳۱ء کو علی الصباح کہ نصف جس کا صبح سویرے ہوتا ہے مع بھینس میونسپل کمیٹی ہال کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دو کہ کیوں نہیں تمہارے خلاف دفعہ ۹۳ قانون آراضیات سرکار مداخلت بیجا بہ بھینس بہ زمین سرکار مقدمہ چلایا جائے؟ جبکہ زمین سرکار پہ تمہارا بھینس کا باندھنا اور اس کے سامنے سرکاری زمین پہ گھاس ڈالنا محلے کے چند شرارت پیشہ لوگوں کی شہادت سے ثابت ہے،

اس نوٹس کی ایک نقل کوتوال صاحب شہر کے پاس جائے کہ وہ سرکاری زمین پہ بندھی ہوئی بھینس کی سخت نگرانی کریں

تاکہ اس سڑک سے گزرنے والی دوسری بھینسوں کے مقابلہ سے محلے میں نقص امن کی حالت پیدا نہ ہو۔

دستخط حاکم بخط انگریزی بہ قلم انگریزی
نسل ہندوستانی بہ تقلید فرنگستانی

اب ان احکام کی تعمیل سے پہلے آپ کی بھینس تو گئی چرنے اور آپ چلے عدالت میونسپل وکیل صاحب کے گھر اور حاکم صاحب کے بنگلے بھینس ہے کہ گردن اٹھا اٹھا کر چر رہی ہے جنگل میں اور آپ کا یہ حال کہ جس ملا روزی نے آپ سے کہا کیوں بھئی خیر تو ہے آج آپ یہاں کہاں؟ کہ آپ نے فوراً کہنا شروع کیا۔

"کیا بتاؤں بھائی جان عجب مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہوں وہ ایک بھینس خرید کر، اے صاحب وہ کل کہیں جاڑے کی وجہ سے میں نے صبح کے وقت بھینس کو دھوپ میں باندھ دیا تھا بس یہ گناہ ہو گیا کیونکہ آپ تو جانتے ہی ہیں وہ ہمارے حضرت عطر سنگھ پہلوان کو کہ وہ محلے بھر کو آئے دن بات بات پر جیسا کچھ تنگ کرتا رہتا ہے ادھر وہ ہے پرانا مقدمہ باز۔ بات بات پر لوگوں کے خلاف مقدمات دائر کرتا رہتا ہے اور ویسے بھی وہ حکام سے ملا رہتا ہے انھیں رشوتیں دلاتا ہے۔ بس اس مردود نے میرے خلاف بھی ایک رپورٹ کر دی ہے اس لئے پریشان پھر رہا ہوں۔"

جی ہاں تو جس کے پاس علم نہو، خاندان کا ذلیل ہو، معاش اور عزت ہی ایسی ہو وہ تو ایسی ہی حرکتیں کرتا رہے گا،

مگر ہاں سچ ہے آپ کا کہنا کہ زمانہ ہی ایسا ہے اور ایسوں کی چل بھی رہی ہے۔ وکیل صاحب ہیں کہ منٹ منٹ پر اسٹامپ، کورٹ فیس اور محنتانہ وصول کرکے دم لے رہے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے آج تک کمبخت عدالت اور کمیٹی کی صورت نہیں دیکھی۔

وہ وکیل صاحب کے کہے پر کل جو صاحب کے بنگلے پر گیا ہوں تو خدا کی پناہ، اماں وہ ہندوستانی ہو کر مجھ سے اس فرعونی انداز میں پیش آیا کہ توبہ

جی ہاں جانتا ہوں جانتا کیوں نہیں،

ہاں ہاں سلطان احمد کا بھتیجا ہے مگر صاحب کس بلا کی انگریزیت سوار ہے اس پر کہ خدا ہی رحم فرمائے۔

جی ہاں یہ نتیجہ ہے اس زمانہ کی تعلیم کا حالانکہ تعلیم سے انسان کے اندر انسانیت عقل و تمیز تہذیب اور شرافتِ نفس کا اضافہ ہوتا ہے۔ مگر آج کل تعلیم کے بعد اپنے ہی بھائیوں سے فرعونیت کا برتاؤ لازمۂ تعلیم سمجھا گیا ہے۔

مگر میر صاحب آپ کو بھی اپیل کا حق حاصل ہے۔

ارے بھئی لاحول ولا قوۃ، اپیل کیسی۔ بس ایک پیشی میں اتنا پریشان ہو گیا کہ اگر کوئی دس روپیہ میں خریدے تو واللہ میں اس بھینس کو دے کر رہوں گا بھلا میں کہاں اور کہاں یہ مقدموں کی لعنت، وہ تو کہو کہ ملا رموزی صاحب کے مشورے سے بچوں کے دودھ کھانے کے خیال سے خریدی تھی ورنہ لاحول پڑھیے کون مردود ان جھگڑوں کو پسند کرتا ہے۔ اب ان تمام حالات کا نتیجہ اگر کہیں سرکاری حیثیت سے "برآمد ہوا تو ایک دن آپ بھینس کی رسی تھامے میدان میں کھڑے

ہوں گے اور ایک چپراسی چلا چلا کر یہ نعرے لگا رہا ہوگا کہ

اس بھینس کے گیارہ روپیہ ایک، اور گیارہ روپیہ دو،

اور جو یہ کچھ بھی نہ ہوا تو ہر ہفتے آپ کا ۸ رفیس کانجی ہاؤس ادا کرنا ضروری ہے اور کانجی ہاؤس کے "منشی جی" کی چارپائی کے پاس بیٹھ کر اتنا ضرور کہنا ہوگا کہ منشی جی انشاء اللہ اب میں خاصی نگرانی کروں گا۔ اس مرتبہ تو یوں ہی چھوڑ دیجئے بھینس کو کیا کہوں تنخواہ بھی ابھی تک نہیں ملی ہے اور ویسے بھی قرضدار ہوں تخفیف کمیٹی نے سارے بل نکال دیئے ہیں۔ اور افسر ویسے ہی لُطف اُٹھاتے ہیں خدا آپ کا بھلا کرے گا، بس منشی خدا کی قسم اس بھینس کے دودھ پر گذارا ہے۔ ہم سب لوگوں کا وغیرہ وغیرہ

چلئے اب ان حالات کو بھلا کر بھینس کی حرکات کے سلسلہ کی طرف پھر متوجہ ہو جائیے۔ چنانچہ ان کی سب سے نفیس اور حسین حرکت یہ ہے کہ آپ مزاج کی بہت سُست اور کاہل واقع ہوئی ہیں گویا سُستی اور کاہلی کے حساب سے بھینس بھی ایک طرح کی داغ دہلوی ہے جنھوں نے خود اپنی کاہلی کے لئے یہ مصرع کہا تھا کہ

؎ حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے، بیٹھ گئے

لہٰذا گھر میں آپ جب تک دس بارہ ہاتھ لٹھ یا قمچی کے رسید نہ فرمائیگا یہ کسی ادنیٰ جنبش پر بھی خوشی سے تیار نہ ہوں گی۔ پھر مار کھانے پر جو بے غیرتی بے حیائی اور بے حسی بھینس کے اندر پائی جاتی ہے شاید ہی کسی دوسرے جانور میں پائی جائے؛ لہٰذا اب آپ چاہے نازک سے نازک چھڑی استعمال

فرمائیں یا موٹے سے موٹا لٹھ ان کی حرکت میں تیزی کبھی پیدا ہوئی ہے نہ اب ہو چنانچہ یہ اسی کا صبر، ضبط، تحمل، اور حوصلہ ہے کہ مار کھاتے وقت بجز دم ہلانیکے اس کے پورے جسم سے یہ ظاہر ہوتا ہے گویا لٹھ پڑ جانے پہ کہہ رہی ہے کہ بس دیکھ لیا تمھارے لٹھ کو ؟

اب جو خدا خدا کر کے گھر سے باہر نکل آئیں تو راستہ چلنا ہزاروں مشکلات مصائب اور خطرات کا باعث بنا رہتا ہے جس کی تفصیلات کو موٹر والے، سائیکل والے، گھوڑا سوار، گاڑی والے، بگھی والے۔ اور تانگے والے ہی کچھ خوب جانتے ہیں، مثلاً فرض کیجئے کہ آپ ویسرائے ہند کے کسی اہم سے اہم تار کو لیکر ڈاک خانہ جا رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی موٹر کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ آئے کہ یکایک سڑک کے ایک کنارے سے بھینس نمودار ہوگی۔ اس طرح کہ سڑک پہ سیدھی چلنے کے عوض ترچھی چل رہی ہوگی، اس وقت مارے تاؤ کے آپ کا جو حال ہوگا اسے آپ موٹر ڈرائیور بن کر ہی معلوم کر سکتے ہیں اب آپ اس کے پیچھے پہنچکر جتنی زور سے چاہیں شور کریں موٹر کا ہارن چاہے سونے والوں کو بیدار کر دے مگر اس بھینس ذات پہ اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور اس محویت کے ساتھ وہ چلتی رہے گی گویا کسی جلد ہونے والے سالانہ مشاعرے کی غزل کہنے میں مصروف ہے، یہاں تک کہ اس کی "یہ متنبہ کر ہی حرکت" اب اس سے بھی زیادہ پرلطف ہو جائے گی یعنی اب وہ اچانک آپ کے موٹر کے سامنے دُم اٹھا کر حوائج ضروری سے فارغ ہونے کو بھی اسی وقت ضروری قرار دے گی اور اب آپ وائسرائے کے تار کو لئے بیٹھے رہینگے

نہ موٹر چلا سکیں گے نہ موٹر سے کود کر بھاگ سکیں گے پھر لطف یہ کہ وائسرائے کے تار کو لیٹ پہنچانے پر اس کے سکرٹیری کی ڈانٹ پی کر اس سے یہ بھی نہ کہہ سکیں گے کہ ایک بھینس بالکل میرے موٹر کے سامنے کھڑی ہوئی یہ کر رہی تھی، اس وجہ سے دیر ہو گئی، اب اگر اس موقع پر گھبرایا ہوا چرواہا آپ کے شور اور گالیوں کے اثر سے اس موقع پر گھبرایا ہوا چرواہا آپ کے شور اور گالیوں کے اثر سے اس بیچ سڑک پر استنجا کرنے والی بھینس کو لٹھ کے ذریعہ جلد ہٹا دینے کی کوشش کرے گا تو یہ کچھ ایسی بے ترتیبی سے چلے گی کہ جدھر سے آپ موٹر نکالنا چاہیں گے یہ خواہ مخواہ اسی رخ پر آجائے گی اور آپ ہے کمبخت، وغیرہ کہکر پھر موٹر روک لیں گے، اور جو خدانخواستہ کسی سڑک پر بھینسوں کی تعداد چالیس پچاس کے قریب نظر آجائے تو اس وقت تو ہمنے خود دیکھا ہے کہ اچھے اچھے پولٹیکل ایجنٹ، رزیڈنٹ، کلکٹر، کمشنر، اور لفٹنٹ گورنر تک اپنے اپنے موٹر الٹے کر کے کسی دوسری سڑک سے تشریف لے جاتے ہیں مگر مارے تاؤ کے بھینسوں کے جلوس کو توڑ کر گذر جانے کی ہمت نہیں کرتے، یا پھر یہ ہوتا ہے کہ جتنے قدم بھینس چلتی ہے اتنے ہی قدم صاحب بہادر کا موٹر بھی چل سکتا ہے۔ ایسے موقع پر دیہات کے چرواہوں کی وحشت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ یعنی وہ انگریزوں کی دو سو برس کی رعایا ہونے پر بھی شہری حالات سے اس درجہ بے خبر رہتا ہے کہ جہاں اس نے اپنی بھینسوں کے پیچھے موٹر کی آواز سنی اور اس کے حواس خراب ہوئے۔ اب وہ پہلے تو ...... بھینسوں کو ..... ادھر ادھر بھگائے گا لیکن جہاں آپ کا موٹر اس کے قریب پہنچا وہ بھینسوں کو آپ کے

موٹر کے بالکل سامنے چھوڑ خود سڑک کے کنارہ پر جا کھڑا ہوگا۔ اس خوف سے کہ کہیں آپ کا موٹر اُس پر نہ چڑھ جائے گویا وہ موٹر کو آج تک ایسی چیز سمجھتا ہے جو شہر والوں پر نہیں مگر چرواہوں پر چڑھے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ایک حرکت اس سے بھی زیادہ عجیب ہے وہ یہ کہ اگر آپ کے مکان کے پاس والے مکان میں کوئی بھینس ہے تو اب مان لیجئے کہ آپ کا دماغی سکون اس بھینس کے رحم پر موقوف ہے کیونکہ جہاں آپ صبح کے وقت رات بھر کی ڈیوٹی یا کسی مصروفیت سے تھک کر گہری نیند سوئے کہ اس نے کوئی ایک فٹ طویل منہ کھوا کر جونہی نعرے لگانا شروع کیا تو اب آپ لاکھ کروٹیں بدلئے مگر اس کے نعروں کا سلسلہ اسوقت تک ختم نہ ہوگا جب تک اسے چرواہا جنگل نہ لے جائے گرلونیں والوں نے آج تک مداخلت بیجا بخواب بوقت صبح بہ آواز بھینس" قرار نہیں دیا اس لئے آپ اپنی لاکھ روپیہ کی نیند برباد کر کے بھی بھینس کو گرفتار نہیں کرا سکتے کیوں کہ بھینس کو اپنی چراگاہ یا اپنے بچے کی یاد میں اس قسم کے نعرے لگانے کا ہر وقت حق حاصل ہے۔

بھینس کی اقسام

اب مذکورہ بالا حالات و حرکات سمجھ لینے کے بعد بھی اگر کسی صاحب یا ان کی صاحبہ سے بغیر بھینس پالے نہ رہا جائے تو انھیں اس جانور کی قسموں اور صفتوں کی بعض خاص خاص حالتوں سے خبردار ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ ہماری تحقیق میں ابتک بھینس کی جتنی قسمیں آئی ہیں یا جتنی قسم کی بھینسیں ہم دیکھ چکے ہیں ان میں سب سے بلند مرتبہ اور عجیب و غریب قسم کی بھینس کو

سفید بھینس

کہتے ہیں اور وہ جو اردو میں ایک ضرب المثل ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" تو یہ ضرب المثل اصل میں اسی بھینس سے ایجاد ہوئی ہے۔ یہ بھینس دنیا میں تمام بھینسوں سے زیادہ مشہور، ممتاز، ذی عزت، اور قیمتی بھینس مانی گئی ہے۔ یہ انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی، اسٹریلیا، ہالینڈ، اسپین، اور امریکہ میں پیدا ہوتی ہے اور گو اس کی نسل بلقان، اسٹریلیا اور ڈنمارک وغیرہ میں بھی موجود ہے مگر وہ اتنی زیادہ مشہور نہیں۔ اسکے مقابل سرخ اور پیلے رنگ کی بھینس بھی روس اور چین و جاپان میں ملتی ہے مگر یہ بھی سفید کے مقابل زیادہ قابلِ تذکرہ نہیں،

پس یہ سفید بھینس یورپ کی اس آب و ہوا میں پیدا ہوتی ہے جو اپنے

طبعی اثرات کے حساب سے نہایت درجہ خوش گوار اور معتدل ہے اس لئے قدرتاً اس کے قویٰ نہایت قوی اور معتدل ہوتے ہیں دیکھنے میں بھی نہایت خوبصورت حسین اور رعب والی ہوتی ہے اور عقل وہمت میں تو اس کا جواب نہ ایشیا میں نہ افریقہ میں مگر بدقسمتی سے اس سرزمین کی تنگی کچھ اتنی بھی مشہور کردی گئی ہے کہ اس کے ماہوار گذارے کے لئے کوئی چراگاہ کافی نہیں اس لئے اس کے مالکوں نے اس کی چراگاہ کے لئے افریقہ اور ایشیا کے وسیع اور شاداب علاقے تلاش کئے اور کچھ شک نہیں کہ ان علاقوں کی "تلاش میں" اس بھینس کے مالکوں نے ہوشربا محنت، عقل سوز بہادری اور لاجواب عقل سے وہ کام لیا کہ بالآخر آج سارا ایشیا اور افریقہ اس کی چراگاہ بن گیا۔ اور وہ اس لئے کہ بدقسمتی سے ایشیا اور افریقہ کے میدانوں میں زیادہ تعداد میں گدھے، خچر، اونٹ اور ہاتھی ہی چرا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان جانوروں میں عقل کم ہوتی ہے لہٰذا یہ آپس ہی میں لڑنے مرنے کے کچھ ایسے بھی عادی ہوگئے کہ اپنی چراگاہوں میں اس سفید بھینس کے آجانیکے بعد بھی آج تک اس باہمی سینگ بازی اور لات بازی سے باز نہیں اس لئے یورپ والوں نے اپنی بھینس کے لئے ان میدانوں پر قبضے کے جو طریقے ایجاد کئے اگر انھیں سلیقے سے کہا جائے تو ایمان داری کی بات ہوگی یعنی جب یہ لوگ ایشیا و افریقہ کے میدانوں پر قبضہ کرنے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان میدانوں میں چرنے والے گدھے اور خچر بڑے لڑاکا ہیں اور آپس ہی میں گتھے رہتے ہیں اس لئے انھوں نے نہایت ہوشیاری سے انھیں مانوس کرنیکے لئے پہلے تو جھک کر سلام کرنا شروع کیا، پھر جب ان ایشیائی اونٹوں نے

انھیں گردن اٹھا کر وحشت سے دیکھا تو انھوں نے بڑی ہوشیاری سے انھیں یورپ کا بنا ہوا انواع و اقسام کا نہایت نظر فریب چارا دکھایا اب جو ایشیا اور افریقہ کے ان وحشی اونٹوں نے اس چمکیلے چارہ کی طرف منہ بڑھایا تو انھوں نے ایک ہاتھ سے تو منہ میں چارا دیا اور دوسرے ہاتھ سے ان کی گردنوں میں رسی باندھ کر جو درختوں سے باندھا ہے تو آج تک بندھے جگالی کر رہے ہیں اور یورپ کی یہ سفید بھینس ہے کہ افریقہ اور ایشیا کے ہر حصے میں نہایت شان سے چرتی پھرتی ہے اور دندناتی رہتی ہے۔ کہیں کہیں کے اونٹوں، ہاتھیوں اور خچروں نے ان یورپی چرواہوں پر جو حملہ کیا تو اس کی روک تھام میں بھی ان لوگوں نے حد سے سوا بے جگری، بہادری، اور عالی حوصلگی سے کام لیا اور بالآخر ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور بزدل و بے عقل ایشیائی جانور اب کہتے ہیں کہ انھیں دھوکہ دیا گیا حالانکہ اسے دھوکہ کہنا بے ایمانی ہے انصاف نہیں،

بہرکیف یہ بھینس نہایت قیمتی ہوتی ہے اسی لئے اسے بجز رئیسوں بادشاہوں کے کوئی دوسرا ایشیائی خرید نہیں سکتا۔ البتہ اب کچھ دن سے اس کی خرید کا یہ طریقہ بھی ایجاد ہوا ہے کہ آپ کے والد صاحب اگر اپنی تمام عمر کی کمائی صرف کر کے آپ کو ان علاقوں میں "تعلیم" کے نام سے بھیج دیں اور آپ وہاں پہنچکر بجائے تعلیم کے تھیٹر، سینما، ہوٹل، اور تفریح گاہوں میں مارے پھریں اور اپنے خاندان اپنے ملک اور اپنے مذہب کی تمام روایات اور آداب کو فروخت کر کے اگر رقم جمع کر لیں تو واپسی پر ایک آدھ معمولی سی بھینس آپ کے ساتھ آسکتی ہے لیکن ایشیا اور افریقہ کی آب و ہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے وہ

056

چند دن بعد آپ کو نیلام کے قابل بنا کر یہ آپ ہی واپس چلی جاتی ہے اور جو کبھی رہ بھی گئی تو آپ کا تمام خاندان اس لئے برباد ہو جاتا ہے کہ اس کے نازونعم کے لئے ہر چیز نرالی اور اچھوتی فراہم کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ اتفاق سے کسی زمانہ میں یہ بھینس ملک ترکی میں بھی گھس گئی تھی۔ اور وہاں کے چند امرا اور رؤسا نے اسے اپنے گھروں میں باندھ لیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں مارے سینگوں کے ان کی امرا اور رؤسا کو لہولہان کر کے رکھ دیا تب مصطفیٰ کمال نام کے ایک ترک نے ان بھینسوں کا آنا جانا اپنے ہاں یک لخت بند کر دیا اور اب سُنا ہے کہ ترک لوگ اپنی بھینسوں کو اپنی چراگاہوں میں آرام سے چرا رہے ہیں۔

گھریلو بھینس

یہ بھینس ہندوستان ہی میں پیدا ہوتی ہے مگر زیادہ مقدار میں یہ مہاجنوں اور دولت مندوں کے ہاں نظر آتی ہے، یہ محض اپنے موٹاپے کے باعث عام بھینسوں سے چند خاص باتوں میں نمایاں ہوتی ہے بلکہ یوں کہیئے کہ اس موٹاپے کے باعث ہی اسے بھینس کہا جاتا ہے۔ یہ اصل میں بلغم اور دولت کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے اور مہاجنوں اور دولتمندوں میں بھی دو چیزیں زیادہ ہوتی ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ پیدا ہوتے وقت بھینس نہیں ہوتی مگر جہاں یہ جوان ہوئی کہ اس میں بھینس پن کے آثار پیدا ہونے لگے یہاں تک کہ اگر وہ چودہ سے بیس سال تک کی عمر میں فروخت نہ کر دی جائے تو اب اس کے بھینس بن جانے میں دیر نہیں ہوتی، بڑھاپے میں اس کے بھینس ہونے کی پہچان یہ ہے کہ باوجود بھینس ہونے کے اس کے چھوٹی سی ڈاڑھی پیدا ہوتی ہے جو قریب سے نظر آتی ہے۔ اب عام فائدوں کے لحاظ سے تو یہ گھر والوں کے حق میں زیادہ مفید نہیں ہوتی مگر ہاں آجکل کی فیشن ایبل لڑکیوں کے حق میں یہ بیحد مفید ثابت ہوتی ہے مگر وہ بھی غریب خاندانوں میں زیادہ مفید اور امیر خاندانوں میں کم مفید مگر فی الجملہ مفید ہوتی ہے۔ یہ بھینس اگر کسی "عورتانہ مجلس" میں پہنچ جائے، تو مجلس کی عورتیں تمام رسوم اور مشاغل کو چھوڑ کر صرف اسی کو بیٹھی دیکھتی رہتی ہیں اور یہ بھی نہایت غرور اور نخرہ سے بیٹھی جگالی کرتی رہتی ہے۔ بڑھاپے

...میں دانت نہ ہونیکے باعث اس کی جگالی کی حرکت کو دیکھ دیکھ کر محفل کی ہڑدنگی قسم کی لڑکیاں قہقہے لگاتی رہتی ہیں۔ مگر اس کی پوپلی جگالی بند نہیں ہوتی لطیفہ یہ ہے کہ اس بڑھاپے پر بھی وہ گلے اور پاؤں میں گھنگھرو باندھنے سے باز نہیں آتی، وہ عام بھینسوں کے مقابل گھانس دانہ بھی زیادہ کھاتی ہے، اس لئے کہ موٹی ہوتی ہے ایسی بھینس جب کسی سڑک پر جاتی ہوئی نظر آجاتی ہے تو اچھے قسم کے لوگ اُسے دور تک کھڑے دیکھا کرتے ہیں، گستاخی معاف پنجاب اور سندھ کی طرف اس قسم کی بھینسوں کی کثرت خود ملا رموزی نے دیکھی ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ نہ یہ الزام ہے چونکہ مالک کی دولت مندی کے باعث اسے چارہ کی کوئی فکر اور تکلیف نہیں ہوتی اس لئے یہ دن رات بیٹھی جگالی کرتی رہتی ہے اور پڑی ٹرٹر کرتی رہتی ہے اور اسی حرکت سے گھر کی فیشن ایبل لڑکیوں کے حق میں یہ مصیبت اور نحوست مانی گئی ہے مثلاً جہاں کسی لڑکی نے پیانو یا ہارمونیم باجے سے ہاتھ لگایا اور یہ سینگ تان کر کھڑی ہوگئی جہاں کسی لڑکی نے حد سے زیادہ چپت اور شباب افروز پائجامہ پہنا اور یہ سینگ لے کر دوڑی جہاں کسی لڑکی نے دیسی جوتہ چھوڑ کر کالا پمپ پہنا اور یہ سینگ لے کر دوڑی جہاں کسی لڑکی نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھکر کسی آوارہ مذاق سہیلی کا یہ مصرع گنگنایا کہ

؎ پیا گئے پردیس موئے نہیں آوت چین

یا ؎ مرمٹیں گے غم ہجراں کی جو ایذا ہے یہی

کہ بس یہ سینگ لے کر کھڑی ہوئی، جہاں کسی لڑکی نے اپنے ملازم یا ملازمہ کے ذریعہ کسی ملا رموزی کو خفیہ خط روانہ کرنا چاہا اور اس نے ملازم کے ساتھ اس

لڑکی تک کو مارے سینگوں کے لہولہان کرکے رکھدیا۔ جہاں کسی لڑکی نے تنہا کلب جانے کا ارادہ کیا اور یہ سینگ لے کر دوڑی، جہاں کسی نے جوانی کی عمر میں کسی چلمن کی اوٹ میں بیٹھکر آج کل کے ماسٹروں سے تعلیم کے نام سے کچھ پڑھنا شروع کیا کہ اس نے ان دونوں کو تاؤ سے گھورنا شروع کر دیا۔ جہاں کسی لڑکی نے حسن و عشق کے مضامین شائع کرنے والے ادبی نام کے رسالے میں مضامین کے ذریعہ معاملات طے کرنے والے صفحات کو پڑھنا شروع کیا کہ اس نے اس رسالہ ہی کو چباکر رکھدیا۔ جہاں اس نے کسی لڑکی کو جھروکے یا دریچہ سے باہر کی طرف کوئی خط یا پرچہ پھینکتا پایا اور اس نے مارے سینگوں کے اس لڑکی کا کچومر بنا ڈالا۔ جہاں اس نے کسی بہترین اور قیمتی برقعہ پوش مغلانی اور استانی کو جوان لڑکی کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا اور یہ بھی پاس آکر بیٹھ گئی جہاں اس نے لڑکی کو تنہا سوتا ہوا دیکھا اور یہ آکر اس کے قریب سو گئی، جہاں اس نے کسی لڑکی کے کمرہ کو تصویروں آئینوں اور مسہری سے آراستہ پایا اور اس نے سب کچھ توڑ کر پھینک دیا، جہاں اس نے کسی لڑکی کو روزانہ غسل اور لباس لونڈر اور پاؤڈر سے صاف رہتے ہوئے دیکھا اور یہ سینگ لے کر دوڑی جہاں اس نے کسی بدمست سی لڑکی کو دھوپ میں اپنا سایہ دیکھکر اور سینہ تان کر چلتا ہوا پایا اور اس نے کھانس کر اسے ہوشیار کیا کہ خبردار، اور خدا جانے یہ بھینس انگریزی عورتوں کی طرح سر کے آدھے بالوں والی لڑکیوں سے اتنی زیادہ کیوں بدکتی ہے کہ جہاں اسے کوئی پٹے رکھے ہوئے نوجوان لڑکی نظر آئی کہ اس نے اس پر حملہ کیا جہاں کسی لڑکی نے اپنی اسکولی سہیلیوں کے ہاں مہمان جانے کا خیال ظاہر کیا اور یہ سینگ لیکر دوڑی، جہاں

اس نے کمسن بچوں کو نوجوان لڑکی کے پاس زیادہ آتے جاتے دیکھا اور اس نے مارے سینگوں کے ان لونڈوں کا گھر آنا جانا بند کیا اور لڑکیوں کے پاس خطوط نویسی کا سامان، لونڈر، پاؤڈر، اور انگریزی کنگھوں اور کنگھیوں کا تو نظر آجانا ہی اس کے لئے مصیبت ہے جہاں اس نے کسی نوجوان لڑکی کو اپنے گھر کے نوجوان ملازم سے بات کرتا ہوا پایا جیسا کہ دولت مندوں کے خاندانوں میں رواج ہے کہ اس نے گویا دونوں کو پچھاڑ کھایا، اسی لئے ایسی لڑکیوں نے بھی تنگ آکر ملازموں سے بات چیت کا وہ وقت قرار دیا ہے جب دوپہر کا گھاس دانہ کھا کر یہ بھینس اکثر سو جاتی ہے اور تھیٹر یا سینما جانے والی لڑکیوں کی فیشن ایبل والدہ کی تو یہ بھینس گویا جان کی دشمن ہے مگر اس کو کیا کہئے کہ امیر گھرانوں میں لڑکیوں کے لئے سینما اور تھیٹر جانا بھی ضروری قرار پا گیا ہے۔

غرض اس بھینس سے لڑکیاں چونکہ خصوصیت سے عذاب میں مبتلا رہتی ہیں اس لئے انھوں نے بھی دوستوں کو خطوط بھیجنے، سینما جانے، ملازم سے بات چیت کرنے، سہیلیوں سے ملاقات کرنے، باہر سے خاص خاص چیز منگانے اور وغیرہ کے لئے نصف شب کے بعد کا وقت مقرر کیا ہے جب یہ بھینس پڑی خرخر کرتی رہتی ہے۔ حالانکہ آج کل کے فیشن زدہ ماں باپ اپنی لڑکیوں کے حق میں اتنے سخت اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ خود آجکل کے اسکول اور کالجوں کی نیم دیسی اور نیم پردیسی پیداوار ہیں، انھیں تو خود خبر نہیں کہ دنیا میں غلام قومیں فاتح قوموں کی نقل کرکے نہ ترقی یافتہ ہوئی ہیں نہ فاتح بلکہ اسی فاتح قوم میں جذب ہو کر فنا ہو گئی ہیں مگر انھیں کیا خبر کہ تاریخ اقوام نے کس قسم کی قوموں کو

061

زندہ اور عروج یافتہ قومیں کہا ہے؟ یہ ہی راز ہے کہ آج عورتوں کی تعلیم و ترقی کے سوال نے تعلیمی حیثیت سے تو جو ترقی کی وہ ظاہر ہے مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ مشرقی عزت و اخلاق کے لحاظ سے وہ کتنی عمیق تاریکی میں گر چکی ہیں اور اخلاقی معاشرتی زندگی کس درجہ افسوس ناک خطرہ میں پہنچ گئی ہے اس کا اندازہ کرنا ہو تو بے پردہ عورتوں کے ان مقدمات کی اطلاعات پڑھیئے جو اغوا۔ فرار، خودکشی اور دوسرے ذلیل حالات و حوادث کے متعلق روزانہ اخبارات میں سرکاری حیثیت سے شائع ہوتی رہتی ہیں، غرض یہ بھینس اس قسم کی لڑکیوں کے حق میں جہاں قومی حیا و تہذیب کے لحاظ سے مفید ہے وہاں ان لڑکیوں کے اسکولی جذبات کے لئے بے حد مضر اور غیر مفید ہے، نتیجہ یہ ہے کہ اکثر خاندانوں میں اس بھینس کے مقابلہ میں لڑکیوں نے اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے بھی سیکڑوں ترکیبیں ایجاد کرلی ہیں اور ان ترکیبوں کی ایجاد میں انھیں اس وجہ سے زیادہ آسانی ہے کہ اس زمانے کے باپ اور بھائی بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں ورنہ بتائیے کہ یہ حسن و عشق والے ماہوار رسالے اور ریشم کے موزے اور قمیضیں ان لڑکیوں کو کون خرید کر دیتا ہے اور ہاں کہیں کہیں یہ بھینس خود بھی لڑکیوں کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہے جس کو زمانے کا عقل سلب کرنے والا اثر کہیے۔ الحمد للہ کہ غریب گھرانے اپنی تنگ دستی کے باعث اس بھینس کو نہیں خرید سکتے۔

کالی بھینس

اس بھینس کے پالنے والے چرانے والے، اور خریدنے والے چونکہ خود نہایت درجہ جاہل، تاریک دماغ، پرانے زمانے والے بھونڈے، گندے میلے اور دنیا کی ہر تبدیلی سے بے خبر ہوتے ہیں اس لئے اس بھینس کی ابتدائی پرورش بھی نہایت بھونڈی، میلی، غلط بلکہ کچھ ہوتی ہی نہیں، اور یہ بے چاری صرف قدرتی گھاس کھاکر زندہ رہتی ہے یعنی اسے دانہ نہیں ملتا، اسی لئے اس میں چرنے دودھ دینے۔ جگالی کرنے، نئے مالکوں کے گھر والوں سے مانوس ہونے حتیٰ کہ اپنے جسم تک کو اپنی غلاظت سے محفوظ رکھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے اسے فروخت کے وقت خریدار کو نہیں دکھایا جاتا بلکہ بعض خریدار اپنے گھر کے بزرگ قسم کے "بوڑھوں اور بوڑھیوں" کے ذریعہ اس کی قیمت کا معاملہ طے کرتے ہیں مگر خریدار کے بزرگ چونکہ خود تاریک خیال، کوڑمغز، اور بے حس ہوتے ہیں اور بھینس کی قسم، اس کی جنس، اس کی سیرۃ اور صورت کو خریدار کی مرضی کے موافق جانچنے کا ان کے اندر خود کوئی سلیقہ نہیں ہوتا اس لئے اکثر اوقات یہ بھینس ایسے ہی "جہنمی بزرگوں" کے صدقے اور فیض سے خریدار کے سر سے باندھ دی جاتی ہے، اس کی خرید و فروخت کے معاملات میں نہایت ہی قدیم اور جاہلانہ قاعدے برتے جاتے ہیں اور بڑی بھاری قیمت کے ساتھ اس کا معاملہ طے پاتا ہے، اس کی خرید کے معاملات کو حسب قانون "خرید بھینس" کئی

جگہہ لکھا پڑتا ہے تب جاکر یہ بھینس پریشان خریدار کے گھر میں آتی ہے۔ اب جس دن سے کہ یہ بھینس خریدار کے گھر میں پہنچتی ہے اس دن سے لیکر وہ تمام کافروں کے جہنم میں جانے والے دن تک یہ اس خریدار کے گھر والوں کے حق میں مصیبت بنی رہتی ہے۔ اس کے داخل ہونے سے اس نئے خاندان کی مسرت، خوشی، راحت زندہ دلی، اور دولت مندی ہمیشہ کے لئے برباد ہوجاتی ہے کیونکہ یہ مزاج کی اس قدر غبی، کند ذہن، بے حس، بے عقل، بے وقوف، بے تمیز بھونڈی سست کاہل، مجہول، نامعقول، اور اُلّو ہوتی ہے کہ اسے جو بھی دیکھتا ہے فوراً ہی رونے کے لئے تیار ہوجاتا ہے اور اس سلسلہ سے سب سے پہلے خریدار کی ماں روتی ہے اور خریدار کی بھینس تو دن رات اس کی حماقتوں کے باعث اپنا سر پھوڑتی رہتی ہیں، کیونکہ یہ بھینس اس قدر بیکار اور بے وقوف ہونے پر غصے اور نخرہ میں تمام دنیا سے آگے رہنے کی عادی ہوتی ہے اس لئے گھر میں جو بھی اس کے پاس گیا یہ اسی کو مارے سینگوں اور لاتوں کے زخمی کرنے کی کوشش کرتی ہے اور چونکہ خریدار دن بھر نوکری پر رہتا ہے ادھر کوئی چرواہا اسے چرانے نہیں لیجاتا اس لئے یہ تمام دن اور تمام رات گھر والوں کے حق میں مصیبت، بنی جگالی کرتی رہتی ہے، اب اسے گھاس دانہ دینے کا کام یا خریدار کی ماں کے سپرد ہوتا ہے یا خریدار کی بھینس کے، لہٰذا ان دونوں کو یہ بھینس دن میں ایک آدھ سینگ ایسا ضرور رسید کردیتی ہے کہ جہاں شام کو خریدار گھر میں آیا اور اس کی ماں بہنوں نے اسے اپنے اپنے زخم دکھا کر بھینس کی شکایتیں اور شرارتیں سنانا شروع کیا، اسی لئے اس قسم کی بھینس رات کے وقت زیادہ مار کھاتی ہوئی ملتی ہے، چنانچہ

جہاں خریدار کی والدہ نے کہا کہ

بیٹا آج تیری بھینس نے مجھے، کہ بس نوکری کی مصیبت کا مارا ہوا خریدار "تاؤ کھا کر اٹھا اور بھینس کو گھونسوں، طمانچوں، لات، بید، ڈنڈے اور جوتے سے مار کر رکھدیا، اب اِدہر تو خریدار اسے مار رہا ہے اور اُدھر پڑوس کے گھروں میں ہماری آپ کی عورتیں اس طرح مذاکرہ اور گفتگو فرما رہی ہیں۔

ذرا ٹھہرنا۔ ارے سنو تو کمبختو،

ہاں ہاں وہ پھر مار کھا رہی ہے آج کمبخت،

اچھا نصیب پھوٹا ہے اس بے چارے مُلّا رموزی کا،

کیا آپا آج پھر مار رہے ہیں مُلّا رموزی صاحب اپنی بھینس کو؟

ارے ننھے ذرا چپ تو رہو خدا کے لئے،

ہائے ہائے وہ تو لکڑی ہی سے مار رہے ہیں آپا:

اونھ وہ دیکھو:

اوئی بیوی کس غضب کی بے غیرت ہے یہ بھینس،

نہیں چچی بی آپ کو کیا خبر کہ وہ کتنی بدمعاش اور شریر ہے:

آپ دیکھئے نا کہ وہ غریب مُلّا رموزی دن بھر تو مارا پھرے لوگوں کی خوشامد اور روزی کمانے میں اور بے چارہ اس وقت آئے تو بھی اس بدذات کی وجہ سے اسے خون پینا پڑے۔

جی کمائی میں مغز نہیں کھپاتا ہے تو اسے کسی نے جاگیر دے رکھی ہے۔

بس رہنے دیجئے چچی بی آپ کی قوم کو:

وہ غریب کی ایک کتاب "عورت ذات" ساڑھے تین روپیہ میں خریدی نہ گئی اس قوم سے اور اُلٹی سیکڑوں جلدیں یاروں نے اس غریب سے مفت ہدیہ وصول کرلیں، اور کیا کہوں بہن کہ کیسے کیسے دولت والوں نے مُلّا رموزی کی کتاب "عورت ذات" اس غریب سے مفت تھیائی ہے کہ مجھے عورت ہوکر شرم آتی ہے مگر انہیں مرد ہوکر شرم نہ آئی۔"

گر دیکھنا بچی وہ بھی اپنے نام کا مُلّا رموزی ہے۔ چنانچہ کل ہی ان کی بیوی کہہ رہی تھیں کہ وہ اب ایسے تمام ہدیہ وصول کرنے والوں کا بھانڈا "عورت ذات" کی دوسری جلد میں پھوڑیں گے تب دنیا کو پتہ چلے گا کہ زبان اردو اور مُلّا رموزی کے کیسے کیسے قدرداں کہاں کہاں زندہ ہیں اور نجار تک میں مبتلا نہیں ہوتے۔

اے بچی وہ ایک فوجی افسر تو کمبخت پوری چھ جلدوں کے دام وصول کرکے کھا گیا مگر اسے غیرت کا پسینہ بھی نہ آیا اور کہنے کو افسر بنا پھرتا ہے فوج کا۔"

او نہ وہ پھر مارا جوتا۔

ارے ننھے ذرا چوری سے تو دیکھ آ کہ یہ آج مُلّا رموزی صاحب اپنی بھینس کو اتنا کیوں مار رہے ہیں۔

ارے آپا گندی ہے گندی۔

کھاتی تو ہے دس من اور دودھ کے نام بوند نہیں۔

وہ تو غضب کے صبر کرنے والے ہیں مُلّا رموزی صاحب بھی آپا، جو اس کمبخت پھوہڑ اور بے سلیقہ بھینس کو ابتک باندھے ہوئے ہیں ورنہ یہ آج کل کے بلا سے، یا اس قسم کے غیرت دار ہوتے تو اسے کبھی کا نکال باہر کرچکے ہوتے،

اللہ اکبر غضب کی بے غیرت ہے بہن۔

بس اب کیا دن بھر ٹرپی کھاتی ہے اور ملّا صاحب کی والدہ غریب کا دن رات کا آرام اور سکون برباد کرتی رہتی ہے اپنی حماقتوں سے۔ چل تو تو چپ رہ ٹپاخو کہیں کی، ہزار بار تجھ سے کہا کہ تو ہے ابھی لونڈیا تو ہم لوگوں کی باتوں میں دخل نہ دیا کر۔ بس تو یہی تعلیم دی جاتی ہے تجھے اسکول میں اور اس پہ وہ والد صاحب ہیں کہ بیٹی پر اس لئے قربان ہوئے جاتے ہیں کہ اسکول میں پڑھتی ہے بس خدا تو میری اولاد کو ان اسکولوں سے محفوظ رکھنا۔

الغرض اس بھینس کی ہر حرکت میں بیہودگی، بے تمیزی، ہڑدنگا پن سرکشی، بے ہنری، اور بے وقوفی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے جو عمر بھر خریدار کی زندگی کو برباد کرتی رہتی ہے۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے بے مرضی خریداری کا۔"

اب اس پہ اگر خدانخواستہ اس بھینس سے ایک آدھ بچہ بھی پیدا ہو جائے تب تو سمجھ لیجیے کہ اب نہ یہ دین کی رہی نہ دنیا کی۔ بس اب وہ ہے اور دن رات اس کا بچہ ہے، اس بچہ کے پیدا ہوتے ہی اول تو اس بھینس کے مزاج میں حد سے سوا نخرہ، غرور، اور اکڑفون پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس بچے کے پیدا ہونے سے دنیا کی غلاظتیں اس بھینس کے پاس جمع رہتی ہیں کیونکہ پہلے خود اپنا ہی گوبر سنبھالنا اس کے لئے مصیبت کا کام بنا ہوا تھا۔ اب جو ایک ساتھ دو گوبر جمع ہو گئے تو بس اب یہ ہے اور گوبر، اب جو اس کے پاس سے بھی گذر جائے تو مارے میونسپلٹی کے دماغ خراب ہو جائے، پھر اس پر طرہ یہ کہ یہ بھینس چاہتی ہے کہ ساری دنیا اس کے غلیظ بچے سے محبت بھی کرے

اور اس کی تعریف بھی، مگر لطف یہ کہ بچے کے ساتھ اس کا لاڈ پیار بس چند دن ہی کی بات سمجھو، جہاں بچہ سال سوا سال کا ہوا کہ اب اس کی محبت فُر فو چکر اب پھر یہ ہے اور اس کی کاہلی اور بے خبری اب بچہ ہے کہ دودھ کے لئے تڑپ رہا ہے اور یہ جس حال سے گھاس کھا رہی ہے، اب اس میں اتنی مستعدی کہاں کہ یہ خود بھی گھاس کھاتی رہے اور بچے کو دودھ بھی پلاتی رہے، نتیجہ یہ کہ اب اس بھینس کے ساتھ اس بچے کا سنبھالنا اور پالنا بھی خریدار کی ماں بہنوں کے ذمہ خود بخود عائد ہو کر رہ جاتا ہے اور یہ نہایت بے حسی کے ساتھ پڑی جگالی کرتی رہتی ہے اس قسم کے اکثر بچے اپنی بھینس، ماں کے بھونڈے پن کا نمونہ ہوا کرتے ہیں جیسا کہ یہ بھونڈی بھینس خود اپنی بھونڈی ماں کا نمونہ ہوتی ہے، خصوصاً رات کے وقت اس بچے کے حق میں یہ بھینس خاصی کوتوالی اور حوالات ہوتی ہے کہ جہاں حوالات میں کسی سوتے ہوئے قیدی کے پاؤں کی بیڑی کی آواز پیدا ہوئی کہ صبح سویرے ہی اس خطا پہ ایک درجن بید سے قیدی کا دل خوش کر دیا گیا، اسی طرح یہ بھینس رات کو جب سو جاتی ہے تو بچہ ہے کہ دودھ کے لئے چلا چلا کر گھر بھر کی نیند حرام کر رہا ہے مگر اسے ہوش نہیں کہ میری بغل میں یہ کیا ہو رہا ہے وہ جب خریدار اپنے بستر سے اٹھ کر اس کے بلغم اور بے حسی سے پھولے ہوئے منہ پہ ایک آدھ جوتا یا طمانچہ رسید کر کے کہے گا کہ اندھی اٹھ اس بچے کو دودھ پلا تب یہ اپنی خوفناک سی آنکھیں کھول کر کچھ اول فول بکے گی اور بس بچہ کو دودھ اس طرح پلائے گی کہ اس کی طرف کروٹ لیتے لیتے ہی نیند میں ڈوب جائے گی، خریدار پھر آدھے بستر سے واپس آ کر ایک آدھ طمانچہ

رسید کرے گا تو اول تو یہ خریدار ہی پر سینگ لے کر دوڑے گی یا جو بچے کو دودھ پلائے گی تو اس طرح کہ چند منٹ بعد ہی بچہ تو نیچے اور یہ بچے کے اوپر، اب پھر رات کے دو تین بجے اس گھر میں یوں شور پیدا ہوگا۔

ارے ہائے رے آپا وہ مار ڈالا اس نے بچے کو۔"

دوڑنا خدا کے لئے بس اس نے پاؤں رکھ دیا ہوگا اس معصوم پر ذرا آپ سنبھالنا اسے،

دیکھئے اماں بی میں اس لئے اس بھینس کو خریدنے سے گھبراتا تھا اور آپ کو منع کرتا تھا۔ مگر بیٹا مجھے کیا خبر تھی کہ یہ کمبخت اتنی بھی بیکار ثابت ہوگی۔"

بیشک تم دوسری خریدو ورنہ کیا اس بیہودہ کے ساتھ اپنی تمام عمر برباد کرو گے۔ اب ان حالات سے بے بس اور تنگ ہو کر خریدار اسے روزانہ مارتا ہے ٹھونکتا ہے، کوٹتا ہے، تو اس مارے بھینس کے سابق مالک خفا ہوتے ہیں اور اگر یہ خفا نہیں ہوتے تو ایک دن مارے تنگ آکر یہ بھینس خود اپنے سابق مالکوں کے گھر بھاگ جاتی ہے اور سابق مالک نئے خریدار کی اس زیادتی پر عدالت میں مقدمہ دائر کر دیتے ہیں اور ایک دن نئے خریدار صاحب کی خدمت میں عدالت سے اس قسم کا سمن وصول ہوتا ہے کہ

ہر گاہ کہ اس کالی بھینس کے خریدار ہونے کی حیثیت سے
تمہارے خلاف مسمی گنگا پرشاد ولد رام پرشاد قوم پرواراگروال
ساکن محلہ فاضل گنج قصبہ رتنا تحصیل گنوارپور ضلع نواب پور
بوکالت منشی بدری پرشاد صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ بی، ایک مقدمہ

اس عنوان سے ہمارے اجلاس پر دائر کیا ہے کہ جس کالی بھینس کو اس نے اپنی اولاد کی طرح پرورش کر کے تمہیں بعوض مبلغ ۲۵؎ فروخت کیا تھا تم نے بڑی بے رحمی سے اسے زدوکوب کیا جس کے اثرات اس کی پسلی نمبر ۱ پر موجود ہیں اور جس کی تصدیق سرٹیفکیٹ نوشتہ ڈاکٹر سر محمد اقبال شکوہ سے بھی ہوتی ہے، اسی طرح تم نے ہمیشہ اسے نہایت قلیل مقدار میں گھاس دانہ دیا ہے۔ خصوصاً جب سے کہ وہ اپنے سابق مالک کے گھر آئی ہے تم نے اس کے گھاس دانہ کی طرف سے بالکل بے خبری کا ثبوت دیا ہے، درآنحالیکہ اس کے ساتھ دو تین بچے بھی ہیں نیز عدالت کے سامنے اس قسم کے حالات بھی لائے گئے ہیں کہ تم نے اس کے سب سے بڑے بچے کو روک لیا ہے اور اس بچے کو اسکی ماں تک نہیں جانے دیتے جس سے وہ ہر وقت رنجیدہ رہتی ہے اور اس رنج وغم سے اس کی صحت پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ لہذا حسب دفعہ ۹۴ قانون ساز دا ایکٹ مجریہ سنہ ۱۹۳۱ء منظور شدہ گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل صفحہ نمبر ۷ ضمن (ج) حرف (ب) جسے منسوخ کرانیکے لئے جمعیۃ العلماء نے ...... بہت زور شور سے اعلان کیا تھا..............................

....

....

"تم کو مطلع کیا جاتا ہے کہ تم بوقت نواخت بارہ بجے کہ جس وقت دولت سند مسلمان کھانا کھا کر یوں قیلولا فرماتے ہیں کہ ظہر کی نماز تک قضا ہو جاتی ہے مگر انہیں اس خدائی نافرمانی سے شرم نہیں آتی اور پھر بھی خود کو مسلمان کہتے پھرتے ہیں۔ حاضر عدالت ہو کر خواہ اصالتاً خواہ وکالتاً جواب دو کہ اس کے لئے تمہارے پاس صفائی میں کیا ثبوت ہے؟

" دستخط حاکم عدالت بخط انگریزی اور"
" سمن کی ساری عبارت بخط اردو"

اب جو اس مقدمہ کی پیشی ہوئی تو اس طرح کہ عدالت کے احاطہ میں آپ کی کالی بھینس بھی کھڑی ہے اور اس کے بچے بھی دو چار گواہ بھینس کی طرف سے بھی حاضر ہیں اور آپ کی جانب سے بھی ادھر اسی احاطہ عدالت میں جو شریف آدمی داخل ہوتا ہے وہ آپ کو اور آپ کی کالی بھیس کو یوں مقدمہ بنا ہوا دیکھ کر آپ سے یوں مخاطب ہوتا کہ

لاحول ولاقوۃ اماں شرم نہیں آتی تم کو کہیں شریفوں کی بھینسوں کے جھگڑے بھی عدالتوں میں آیا کرتے ہیں۔

استغفراللہ کیا خاندان کو عزت دلائی ہے آپ نے اس حرکت سے تو بھئی پہلے ہی دیکھ لیا ہوتا اس بات کو کہ یہ بھینس اور اس کے مالک کیسے ہیں۔

نواب جو خرید چکے ہیں تو پھر اسے عمر بھر رکھنا آپ کا شریفانہ فرض ہے ادھر سے آپ کے جوابات یہ ہیں کہ

جی نہیں وہ زمانہ گیا جب انسان رسم و رواج کی بندشوں میں جکڑ کر برباد ہوتے رہتے تھے اور یہ اسی تاریک زمانے کی تعلیم ہے کہ اگر خریدنے کے بعد بھینس مرضی کے موافق نہیں ہے تب بھی اسے باندھے رہیئے اور اپنی کمائی اس پر برباد کرتے رہیئے۔

میں ہوں جناب اس روشن زمانے کی پیدائش، لہٰذا جب ایک چیز میری مرضی ہی کی نہیں۔ تو میں اس پر اپنا وقت اپنا دماغ اور اپنا مصیبت سے کمایا ہوا روپیہ کیوں برباد کروں؛

اب جو پیشی کا وقت آیا تو ہر ایک شخص ہے کہ آپ کے اور آپ کی بھینس کے جھگڑے کے حالات کو سننے اور لطف لینے کے لئے موجود ہے اور آپ ہیں کہ ان لوگوں کو دیکھ کر اور اپنی رسوائی کے خیال سے مارے تاؤ کے گھن چکر بنے کھڑے ہیں کہ یکا یک آواز آئی،

مُلّا رموزی مدعا علیہ حاضر ہے۔

اب جو آپ حاکم عدالت کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے تو مارے خوف اور وحشت کے بُرا حال کہ یکایک آپ سے سوال ہوا کہ بتائیے کہ،

کیا آپ ہی اس کالی بھینس کے خریدار ہیں جو عدالت کے احاطے میں مع اپنے بچوں کے ڈولی میں بیٹھی ہوئی ہے نہ تو یہ احاطے میں بندھی ہوئی؟

اچھا تو بتائیے کہ اسے آپ نے کس وجہ سے اپنے گھر سے علیٰحدہ کیا۔

اچھا تو وہ اگر آپ کو اور آپ کے خاندان بھر کو سینگ مار کر ہر وقت پریشان کرتی رہتی تھی تو کیا آپ نے اس سے یا اس کے سابق مالک سے

کوئی ایسا تحریری معاہدہ کیا تھا کہ آپ اُسے واپس کرتے وقت اس کے بڑے بچے کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

کیا آپ پہلے سے نہیں جانتے تھے کہ اس بھینس کا سابق مالک ایک تاریک خیال، رسم پرست، اور گندے خاندان کا رکن ہے۔ لہٰذا اس کی پرورش کی ہوئی ہر بھینس ایسی ہی تاریک اور گندہ ہو گی جیسا کہ وہ خود ہے۔

اچھا فرض کیجیئے کہ اس مالک کے ہاں تاریک رسم پرستی کے باعث لڑکی کو نہ توبہ بھینس کو قبل فروخت خریدار کو نہیں دکھایا جاتا تو پھر تم نے اپنی والدہ کو اس کے دیکھنے کے لئے کیوں مقرر کیا تھا جب کہ تمھاری کیا پُرانے زمانہ کی "تمام" والدائیں "خود کڑ" رسم پرست دہری ہوئی ہیں اور انہی کے صدقہ میں آج 99 فی صدی خراب بھینسیں نہایت روشن خیال خریداروں کے سر باندھ دی جاتی ہیں۔

اچھا تو اب تمھیں اس کا نان نفقہ نہ توبہ اس کے گھاس دانے کے مصارف ادا کرنے سے کیوں انکار ہے۔

ابھی یہ ہو ہی رہا تھا کہ حاکم عدالت کو زور سے چھینک آئی اور پیشی دو ماہ بعد کی مقرر کردی گئی۔ اس کے بعد پھر پیشی شروع ہوئی کہ عدالت کی چار کا وقت آگیا اور پیشی پھر تین ماہ بعد تک ملتوی کردی گئی، پھر پیشی شروع ہوئی کہ وکیل مدعی نے درخواست کی کہ مجھے مزید ثبوت فراہم کرنے کا موقع دیا جائے لہٰذا پھر دو ماہ بعد ابھی پیشی شروع ہوتی تھی کہ خود آپ نے درخواست دی کہ مجھے بھی گواہان صفائی کو لانے کا موقع

دیا جائے۔ غرض ایسے ہی حالات کے تحت پورے چار سال کے بعد فیصلہ ہوا کیونکہ دیوانی کے مقدمات اتنے ہی وقفے میں کبھی کبھی طے ہوا کرتے ہیں اور آج تک یہ نہیں سنا کہ کسی نے دوسری پیشی کا وقفہ مقرر کرنے اور تعین مدت کے لئے چند لازمی شرطیں مقرر کی ہوں جن کے بغیر ایک دن سے زیادہ کے لئے پیشی ٹالی ہی نہیں جا سکتی۔ لہٰذا اب جو آپ چار سال کی مکمل بربادی، پریشانی، رسوائی اور مالی تباہی کے بعد پہنچے تو حاکم عدالت نے انگریز کی نقل کرتے ہوئے سر سے ٹوپی اتار کر فیصلہ سنایا کہ

فیصلہ

آج مثل مقدمہ مسماۃ بھینس بنت گنگا پرشاد قوم اگروال بنام رام سروپ ولد سورج پرشاد ساکن موضع آگرہ علاقہ اودھ تحصیل دہلی قوم اگروال پیشہ تجارت بابت دلا پانے زرِ خرچہ گھانس دانہ و دلا پانے زرِ خرچہ مبلغ دو ہمارے اجلاس پر پیش ہوا۔ جس میں مدعی کی جانب سے منشی بدری پرشاد بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی اور مدعا علیہ کی جانب سے ضیاء الملک مُلّا رموزی، فاضل الہیات مشہور ادیب وکیل تھے،

واقعات مقدمہ یہ ہیں کہ تاریخ ۴ر نومبر ۱۹۳۱ء کو مسمیٰ گنگا پرشاد نے ایک راس بھینس رام سروپ مدعا علیہ کے ہاتھ فروخت کی اور اس بیع کے وقت فریقین کی جانب سے مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور، گاندھی جی ایڈیٹر ینگ انڈیا احمد آباد گجرات اور

074

پنڈت جواہر لال نہرو سابق صدر کانگریس جو گاندھی جی کے لندن جانیکے بعد سارے ہندوستان میں ہو حق کرتے پھرے ....

.... بطور گواہ موجود تھے۔ جیسا کہ ان چاروں کے بیانات منسلکہ مثل سے ثابت ہے۔ مدعی کا بیان ہے کہ اس نے مدعا علیہ سے ایسی کوئی شرط طے نہ کی تھی کہ اگر یہ بھینس مدعا علیہ کے گھر پہنچکر اس کی مرضی کے موافق ثابت نہ ہوگی تو وہ ان سے بے چوں وچرا واپس لے لیگا۔ اس کے جواب اور ثبوت کے لئے جب مدعا علیہ کے نام سمن جاری کیا گیا تو اس وقت وہ ایک خفیہ اشارہ پر ہندوستانیوں کو باہم لڑا دینے کے لئے بیرون شہر گیا ہوا تھا کیونکہ اکثر اوقات اقتدار کے خوف سے ایسے لوگوں کو مخبری کرنا پڑتا ہے جو دل سے مخبری کو ذلیل کام سمجھتے ہیں مگر ایسے لوگ بھی مخبر بنے ہوئے نظر آئیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ اقتدار کی طرف سے مجبور کئے گئے ہیں اور اسی کو "لاٹھی اور بھینس" کہتے ہیں اسلئے سمن کی تعمیل نہ ہوسکی، اب ایک ہی صورت تھی کہ عدالت مدعا علیہ کے خلاف یکطرفہ کارروائی کرے کہ عدالت کے پاس ایک خفیہ خط آیا جس میں بطور راز لکھا ہوا تھا کہ خبردار مدعا علیہ ہمارا خاص آدمی ہے اس لئے اس کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی جائے۔

لہذا سمن دوبارہ جاری کیا گیا۔ الغرض کوئی سوا تین ماہ کے بعد مدعا علیہ کی جانب سے ضیاء الملک ملا رموزی صاحب وکیل درجہ اول ہائی کورٹ نے جواب دعویٰ پیش کیا جس کے بعد ہی گواہان صفائی طلب کئے گئے۔

لہذا یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کی پیشی پر گواہان صفائی میں مولینا سید عطاء اللہ شاہ

صاحب بخاری، مولینا حفیظ جالندھری اور مولینا ظفر علی خاں صاحب مالک اخبار" زمیندار" بیٹھے ہوئے، ہر سہ گواہوں نے باقرار صالح بیان کیا کہ ہاں ہم اس بھینس کے خریدار سے اس وقت سے واقف ہیں جب اس نے جنگ بلقان میں ترکوں کی حمایت میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں۔ اس پر وکیل مدعی نے مولینا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری پر جرح کی کہ اب مسلمانان ہند، ترکوں سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ ان کے خلاف یورپ والوں نے نہایت غلط اطلاعات شائع کی ہیں جس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ مسلمانان ہند اول تو ویسے ہی ۹۹ فی صدی جاہل ہیں اور جو تعلیم یافتہ کہے جاتے ہیں وہ اصل میں تعلیم یافتہ نہیں بلکہ صرف " انگریزی یافتہ" ہیں ورنہ ایک صحیح تعلیم یافتہ کبھی اپنے ملک اور قوم کے لباس رسوم زبان اور تمدن کو ترک نہیں کرتا بلکہ جتنا وہ بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی وہ اپنے ملک و قوم کی چیزوں سے محبت کرتا ہے جیسا کہ گاندھی، مالوی اور نہرو کے لباس سے ثابت ہے۔ جو بادشاہ انگلستان تک کے محل میں دھوتی باندھے گھس گئے مگر ان کی عزت میں فرق نہ آیا، لیکن جس مسلمان کو دیکھیے وہ انگریزوں کی ٹوپی، کوٹ، پتلون، اور ان کی زبان کے استعمال کو اپنے خاندان بھر کی روشن خیالی سمجھتا ہے۔ اسلئے اگر غلط تربیت کے اثر سے یہ غلام مسلمان ترکوں سے نفرت کرتے ہیں تو اس بھینس کے خریدار کی کیا خطا ہے۔"

پھر یہ سوال جرح کہا کہ بال شویک مظالم کی اطلاعات کو جو اردو کے اخبارات بے تامل شائع کرتے ہیں یا دلی میں بخارا کے جو باشندے بال شویک

مظالم بڑھا کر بیان کرتے ہیں ان کی اشاعت میں انھیں حد سے سوا غور و فکر کی ضرورت ہے مگر ان اخباروں کے معمولی ایڈیٹروں کے بس کی بات نہیں کہ وہ سیاست کے ان اہم رموز کی تہ تک پہنچ سکیں کہ ایسی اطلاعات کا مقصد کیا ہوا کرتا ہے مولینا ظفر علی خاں صاحب نے فرمایا کہ اس بھینس کی خرید کے وقت میں موجود تھا اور میں اس کے خریدار کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ میرے ساتھ کشمیر گیا تھا اور وہاں سے وہ اس لئے واپس آیا تھا کہ وہ ہندو بھائیوں سے کہدے کہ آپ کی یہ دلیل۔ دلیل نہیں بلکہ کھلا ہوا انتقام یا مسلمانوں کے کاموں کی نقالی ہے کہ اب وہ بھی کشمیر کی طرح اسلامی ریاستوں میں جتھے لے کر جائیں گے،

مولینا حفیظ جالندھری نے بیان کیا کہ میں اس بھینس کی خرید کے وقت موجود تھا اور میرے سامنے سابق مالک نے یہ ہرگز نہیں بتایا تھا کہ میری بھینس کے اندر اتنی خرابیاں ہیں، بہ سوال جرح کہا کہ وہ شاعر قوم کے حق میں مصیبت ہیں جو غم و الم اور فریاد و زاری سے بھرے ہوئے شعر کہتے ہیں۔

مدعی کی جانب سے خواجہ حسن نظامی صاحب نے فرمایا کہ میں نہ فقط مدعی بلکہ اس بھینس سے اس وقت سے واقف ہوں جب یہ ایک سال کی تھی، بظاہر میں اس کے اندر کوئی خرابی نہیں پاتا صرف اسکی پرورش قدیم اور پرانے اصول پر ہوئی ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ پرانے اصول کی تربیت پائی ہوئی بھینسوں میں حیا، غیرت، خودداری، اپنے مالک سے صحیح

وفاداری کی قوت جتنی بیدار ہوتی ہے۔ آج کل کی تربیت پائی ہوئی بھینسوں میں اگر یہ بات ہوتی تو ان کے ایسے بے شمار مقدمات ہی کیوں عدالتوں اور اخباروں میں جاتے ؟

مدعی کے دوسرے گواہ مولینا احمد سعید صاحب دہلوی نے فرمایا۔ میں مدعی کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ میرے وعظوں میں نہایت پابندی سے آیا کرتا تھا بے شبہ اس نے اپنی ہر بھینس کو "پرانے بھینس پرور لوگوں" کے اصول کے موافق تربیت دی ہے اور چونکہ پرانے اصول پر چلنے والوں میں اس موقع پر مولینا صاحب شدت سے کھانسی کے باعث بیان کو جاری نہ رکھ سکے اس لئے دوسری پیشی پر سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ پرانے اصول پر تربیت دینے والے اپنی بھینسوں کے دانے میں عشق و عاشقی کے مضامین شائع کرنے والے ماہوار رسالوں کو ملا کر نہیں کھلاتے تھے۔ اسلئے ان کی بھینسوں میں اپنے سابق مالک سے جو وفا و محبت پائی جاتی ہے اسی کے اثر سے یہ بھینس اس نئے خریدار کے ہاں سے بھاگ کر سیدھی اپنے سابق مالک کے گھر میں آگئی ورنہ اس زمانہ کی بھینس ہوتی تو وہ ضرور اپنے دانے میں عشق انگیز ماہوار رسالوں کو کھا چکی ہوتی تو اس موقع پر وہ کسی بی۔ اے پاس شخص کے گھر میں گھس جاتی اور اخباروں میں یوں شائع ہوتا کہ فلاں کی ۱۵ سال عمر کی بھینس فلاں بی۔ اے پاس کے ساتھ فرار ہوگئی،

کچھ شک نہیں کہ ضیاء الملک ملاّ رموزی صاحب وکیل مدعا علیہ نے شہادت کے سلسلہ میں جو جرح کی اس نے عدالت کی رہنمائی میں خاص امداد

کی مگر عدالت کو افسوس ہے کہ ملا صاحب یہ ثابت نہ کر سکے کہ ان کے موکل نے اس بھینس کے خریدنے سے پہلے کوئی ایسا معاہدہ کیا تھا کہ اگر یہ بھینس میری مرضی کے موافق نہ نکلی تو میں اس کو اتنا ماروں گا کہ یہ تنگ آکر اپنے سابق مالک کے گھر چلی جائے نیز عدالت کو اس واقعہ پر افسوس ہے کہ گاندھی جی کے گول میز کانفرنس لندن میں شریک ہونے سے ان کے قائدانہ وقار اور شہرت کو اس لئے نقصان پہنچا کہ وہ اپنے تدبر سے وہاں ہندو مسلم سوال کو حل نہ کر سکے کیونکہ لیڈر کی تعریف یہ ہے کہ وہ اہم اور الجھے ہوئے مسائل کو چٹکی بجاتے ہوئے حل کر دے۔ اسی طرح مدعی نے تنقیح نمبر ایک متعلقہ مسل ہذا کا کوئی ایسا ثبوت نہ دیا جس کا یہ مطلب ہوتا کہ اس خریداری کے عرصہ میں باوصف اس کے کہ یہ بھینس شروع سے نئے خریدار کی مرضی کے بالکل خلاف تھی۔ مگر وہ اسے برابر گھاس دانہ دیتا رہا اس لئے صرف ایک وقت کے مارنے سے یہ نہ ہونا چاہیئے کہ اس کی خریداری کے ابتدائی مصارف اور اتنے عرصہ تک دودھ نہ دینے پر بھی اس کی جملہ خدمات کو بھلایا جائے بنا بریں حالات:

حکم ہوا کہ

حسب دفعہ ۵۸۴ تعزیرات بھینس ضابطہ دیوانی نمبری ۱۶ء ۹۱ ضمن (ج) بابت ۱۹۳۱ء مدعی بھینس کو واپس مدعا علیہ کو دے، اور مدعا علیہ کو اس امر کا پابند کیا جائے کہ آئندہ اسے کوئی ایسی خفیف ضرب بھی نہ پہنچائے جسے ضرب شدید بنوانے اور لکھوانے میں اس کے سابق مالک کو ڈاکٹروں کو رشوت دینا پڑے جیسا کہ اکثر ڈاکٹر ایسے موقع پر رشوت

لیا کرتے ہیں اور ضرورت مند دیا کرتے ہیں، خرچہ فریقین ذمہ فریقین، ضیا الملک مُلّا رموزی صاحب کی اطلاعیابی لکھالی جائے اس لئے کہ ان کا موکل کسی کانگریس کمیٹی کے جلسہ میں شرکت کے لئے دہلی گیا ہوا ہے جیسا کہ ہندو مسلم فسادات کے وقت لیڈر کہکر فساد والے شہر سے کسی پُر امن شہر میں چلے جاتے ہیں اسی لئے بجز لالہ لاجپت رائے آنجہانی کے کسی ایک لیڈر کے آج تک کوئی ایک چوٹ نہ آئی اور نہ آئے۔"

آج ہمارا یہ اردو میں لکھا ہوا فیصلہ ہمارے انگریزی دستخط اور مہر عدالت سے اس لئے نافذ ہوا کہ اردو پر انگریزی دستخط کو ہر ہندوستانی اپنی لیاقت سمجھتا ہے مگر بد قسمتی سے ارباب علم و فضل کی نظر میں وہ بے علم ثابت ہوتا ہے۔ نقشہ ڈگری مرتب ہو، اور گواہوں کو اپنے اپنے وطن جانے کا فرسٹ کلاس کرایہ مدعی سے دلایا جائے جیسا کہ انکی شان سے ظاہر ہے۔

اس قسم کے مقدمے اور فیصلے کے بعد بھینس پھر خریدار کے گھر آجاتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ چند ماہ بعد پھر خریدار کی مار کھاتی ہے۔ خریدار اُسے گھاس دانے کی تکلیف دیتا ہے یہانتک کہ بعض گھرانوں میں ایسی بھینس ناخوش خریدار کی ایذا رسانی سے تھک کر کسی دن اپنے ہی گلے کی رسی سے اُلجھ کر خود کو ہلاک کر لیتی ہے۔ جسے پولیس والے کہتے ہیں کہ "پھانسی لگا کر مرگئی" پھر خریدار صاحب ہوتے ہیں اور وہی سابقہ کوتوالی، وارنٹ، چالان تحقیق، عدالت، اور فیصلہ، اب یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ خریداری میں جانبین کی مرضی کا خیال نہیں کیا جاتا۔

پھر اگر بھینس اس طرح نہ مرے اور ہر حال میں موجود اور زندہ ہی رہے تو اس کا خریدار اس سے تنگ آ کر ایک "خفیہ بھینس" خرید لیتا ہے اور اپنی تمام کمائی اور توجہ اسی کے لئے خاص کر دیتا ہے اس لئے پُرانی بھینس کو اُسی صدمہ سے "تپ دق" ہو جاتی ہے اور کھانستے کھانستے ایک دن "انتقال پُر ملال" بن کر رہ جاتی ہے ، لہٰذا جماعت اور قوم میں کچھ عقل آ گئی ہو تو چاہیئے کہ اب بے مرضی بھینس کی خریداری یک لخت بند کر دی جائے ورنہ حضور مالک ہیں !

مُلّا رموزی کی بھینس

صاحبِ شعر و سخنوری حکیم انوری نے اپنے کلام میں ایک ایسے گھوڑے کا تذکرہ کیا ہے جو اس نے اپنے کلام کے صلے میں بطور انعام پایا تھا، لہٰذا ایک فاضل روزگار اور شہرۂ آفاق شاعر اپنے کلام میں ایک گھوڑے کا تذکرہ چھوڑ جاتا ہے تو اگر مُلّا رموزی اپنی تصنیفات میں ایک بھینس کی تفصیلات چھوڑ جائے تو اُسے کچھ کہنے کے عوض صرف انوری اور رموزی کے زمانے کے اس فرق کو دیکھکر ذرا ذرا شرما جائے گا کہ انوری کا زمانہ علم و اشاعتِ علم کے لحاظ سے اتنا ترقی یافتہ زمانہ نہیں تھا جتنا کہ آپ کے مُلّا رموزی کا زمانہ ترقی یافتہ ہے یعنی انوری جو کچھ لکھتا تھا وہ صرف ایک شہر یا ایک ملک میں بھی بڑی دشواری سے تمام آبادی میں پہنچتا تھا مگر مُلّا رموزی جو کچھ لکھتا ہے وہ صرف چند ہفتوں میں ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک بلکہ چند ماہ میں تو دنیا کے اُس سرے تک پہنچ جاتا ہے اور پہنچ سکتا ہے، پھر انوری جو کچھ کہتا تھا وہ علم و بلاغت یا ادب و فصاحت کے ایسے نکات و اسرار بیان کرتا تھا جنھیں صرف اربابِ علم و فضیلت ہی سمجھ سکتے تھے، مگر مُلّا رموزی جو کچھ لکھتا ہے اُسے اصحابِ علم و حکمت سے لے کر ایک معمولی سی قابلیت کا آدمی بھی آسانی سے سمجھتا ہی نہیں بلکہ حزن و ملال اور رنج و غم سے دور ہو کر گھنٹوں خوشی کے قہقہے لگاتا ہے لیکن انوری اپنے محدود علم کے زمانے میں بھی درباروں میں

بار پاتا ہے زر و جواہر اور گھوڑے کا مالک ہوتا ہے لیکن آپ کے معارف گستر زمانے کا مُلّا رموزی اگر کسی دربار میں خود ہی گھس جائے تو سوچ لیجیے کہ یہ آپ کے پولیس والے کیسی گت بنا کر چھوڑیں، یہی حال درباروں کا ہے کہ آج تک وہ غریب جانتا ہی نہیں کہ دربار کسی صاحبِ حشم و شوکت تاجدار کی شاہانہ مجلس کا نام ہے یا اجمیر شریف کے عرس ہی کو دربار کہتے ہیں؟

امرا اور دولت مندوں نے یہ قدر پہچانی کہ جب مُلّا رموزی کی حاضری پر چائے پلا کر اپنی تصویر دیدی اور ایک صاحب نے انتساب کے بعد اس کتاب کی پانچ جلدیں خرید فرمالیں، واللہ برٹش گورنمنٹ بھی شرماتی ہوگی کہ میں نے بھی کس قسم کے لوگوں کی تعلیم کے لئے اربوں روپیہ برباد کردیا۔

ہاں یہ بھی سن لیجیے کہ مُلّا رموزی کو اس کی علمی خدمات کے صلے میں بجز ان چند ادب شناس ہستیوں کے جن کا تذکرہ میں نے اپنی کتاب "زندگی" میں بعنوان "راز کی بات" لکھا ہے اور بھی حضرات نے امداد کی ہے۔ مگر وہ مُلّا رموزی کی کسی ادبی اور خالص تحریری خوبی کے صلے میں نہیں بلکہ محض مُلّا رموزی کی تنگ دستی اور بدحالی کی اطلاع پا کر اور شاید اس سے زیادہ شرمناک کوئی حرکت نہ ہوگی کہ میرے ایک دوست نے عین اس وقت جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا اپنے خط مورخہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۱ء کے ذریعہ اطلاع دی کہ تمھاری تمام تحریروں کو فلاں رئیس ابن رئیس اور امیر ابن امیر چوری سے خرید کرا کر خوب لطف لے کر پڑھا کرتے ہیں؛

یہ وہ اطلاع ہے جس پر مُلّا رموزی کچھ دیر تک اچھا خاصا پاگل بنا رہا کہ

افوہ یہ بے حسی کہ ایک حد سے سوا بلند مرتبہ اور ذی مقدرت آدمی مُلّا رموزی کی ہر تحریر پڑھتا ہے اور اس میں مُلّا رموزی کی تمام تکالیف کو دیکھتا ہے مگر امداد و قدردانی کے نام یوں ساکت و خموش رہتا ہے گویا مُلّا رموزی کی تحریر بھی ایک طرح کا قیامت نامہ ہوا کرتی ہے جسے پڑھیے اور عذاب آخرت کے خوف سے یا رو دیجیے یا ساکت ہو کر بیٹھ جائیے۔

پس ان حالات کے تحت انوریؔ کے انعامی گھوڑے کے مقابل مُلّا رموزی کی بھینس کے لئے خود سمجھ لیجے کہ وہ اسے انعام میں ملی ہوگی یا اس نے خود خریدی ہوگی؟ پھر یہ بھی سوچ لیجے کہ بھینس کی خرید دو صورتوں ہی میں ضروری ہوتی ہے ایک یہ کہ آپ خاصے دولتمند اور بڑے گھرانے والے ہوں اس لئے خاندان اور چائے کی ضرورت کے لئے بھینس کا دودھ ضروری ہو۔ اور جو یہ نہیں تو پھر بھینس صرف اس لئے خریدی جاتی ہے دودھ فروخت کریں گے اور اس کے داموں سے گزارہ کریں گے یا گذر بسر کریں گے، بہرحال آپ سمجھ گئے کہ مُلّا رموزی کے ہاں بھینس اس لئے آئی تھی کہ افسوس، اور جواب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو اور اسی کی زیادہ امید ہے تو یوں سمجھ لیجے کہ مُلّا رموزی کی تمام تحریروں میں لطافت بیان و نفاست خیال روح و روان کلام ہوا کرتی ہے تو مُلّا رموزی پھر دنیا کے حسین سے حسین جانوروں کو چھوڑ کر بھینس ایسی کریہہ المنظر اور کریہہ الصورت ذات کو کیوں چھوڑے گا؟ اس لئے باور فرمالیجئے کہ اس جانور کے لئے ضرور کوئی خفیہ سازش عمل میں لائی گئی ہوگی جس کا پتہ چلانے سے آج تک کے تمام بوڑھے سی، آئی، ڈی

لوگ عاجز رہے ہیں، یہ اسی سازش کا نتیجہ تھا کہ ایک دن والدہ محترمہ مدظلہا سے اپنی "ان" کو کچھ بڑی ہی متانت اور سنجیدگی سے اس طرح گرم گفتگو پایا کہ

"اور اماں جان۔ اگر دودھ بچ بھی جائے گا تو "ان" کی چائے کے کام آجایا کرے گا۔"

جی میں تو آیا تھا کہ چلا کر کہدیں کہ او اللہ کی بندی وہ بے چارے مُلّا رموزی کی چائے کا اس گھر میں ایسا کونسا انتظام و اہتمام ہے جس کے لئے ایک بھینس کا بچا ہوا دودھ اُس غریب کے نام پر محسوب و منسوب کیا جا رہا ہے؟ درآنحالیکہ شہر بھر کے افیونی گواہ ہیں کہ وہ ایک درجہ سوم کے ہوٹل میں روزانہ جا کر چائے پیتا ہے سو وہ بھی اس بے سروسامانی کے ساتھ گویا مُلّا رموزی نہیں بلکہ چائے مُلّا رموزی کو پیتی ہے، مگر وہ جو بڑے مولوی صاحب کہہ مرے ہیں کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے سو اس خوف سے اس وقت تو کچھ نہ کہا مگر بعد میں ہم نے اپنی "ان" سے کہا کہ

کیوں جناب یہ موسم تو ہے "تخفیف کمیٹیوں" کا اور جناب مشورہ میں شریک ہیں بھینس خریدنے کے تو ایسی صورت میں یہ ہندوستان سے لیکر لندن تک کے "تخفیف کمیٹی والوں" کو ہم بے وقوف سمجھیں یا صرف آپکو؟ بجلی کی رفتار سے ملتی ہوئی تیزی سے بولیں کہ

میں کیا کہہ رہی تھی بس خموش بیٹھی ہوئی تھی وہ تو اماں جان نے جب خود ہی کہا کہ دُلھن تم بھی تو بولو تو میں نے اتنا کہدیا، اور ویسے بھی دیکھ تو رہی ہو خود سارے گھر کی پریشانی، اس سے کچھ تو پیسہ ملتا رہے گا۔

085

ہم نے کہا اور دیکھئے کہ کس قدر عقل کے ساتھ کہا کہ

اچھا اگر اماں جان ہی نے فرمایا تھا تو آپ کو بھینس کے معاملہ میں مُلّا رموزی کے نام پر بقیہ دودھ صرف کرنے کی ایسی وکالت کے اختیارات ویسرائے کے کس "خاص آرڈی نینس" کی رو سے حاصل تھے جو آپ نے مشورہ میں جان ڈال دی، جواب ملا کہ

گھر میں رہتے ہیں تو سب باتوں میں شریک ہونا ہی پڑتا ہے۔ کاش آپ اس خشک جواب میں موصوفہ کے اس وقت کے لہجے اور رُخ کے تغیر کو محسوس فرما سکے ہوں ؟

ہم نے کہا اور وزیر مال کی حیثیت سے کہا کہ

اچھا تو یہ بھی سوچا تھا کہ اس بھینس کے لئے روپیہ کہاں سے لائیں گے! جواب ملا کہ

جس خدا نے آج تک دیا ہے وہی اس کام کے لئے بھی دیگا۔

چونکہ اس جواب میں "مذہبی جذبہ" غالب تھا اس لئے نکتہ چینی اور اعتراض نہ کر سکے حالانکہ آج کل کے بی۔ اے پاس مسلمان تو علماء دین کے بتائے ہوئے مسلمات پر بھی اعتراض سے نہیں چوکتے اس لئے ہم نے اعتراض کا ادبی حصہ لیا اور کہا کہ

اچھا تو یہی سوچا ہوتا کہ آپ کے نفاست مآب اور علمی و ادبی ذوق کے شوہر المعروف بہ مُلّا رموزی صاحب کو بھینس کی گندگی اور غلاظت سے کتنی تکلیف پہنچے گی ؟ جواب ملا اور کسقدر "خانگی توہین" کرنے والا

جواب ملاکہ

"آپ کا گھر ایسا پہلے ہی کہاں کا محل تھا جو اب خراب ہو جائے گا۔"

چونکہ قوم کی قدر ناشناسی کے باعث اس جواب میں بھی صداقت تھی اس لئے یہاں بھی اعتراض کا رُخ بدلنا پڑا اور وہ آخری خطرہ پیش کیا جس سے ہر شریف آدمی گھبراتا ہے۔ یعنی ہم نے کہا کہ

اور جس دن چرواہا "ستیہ گرہ" کر بیٹھا اس دن بتایئے کہ اس بھینس ذات کو آپ چرانے جائیں گی یا یہ آپ کی مشہور و معروف قسم کے مُلّا رموزی؟ اس کے جواب میں ذرا ہمارے حقیقی بھائیوں کی عزت افزائی ملاحظہ فرمایئے گا ارشاد ہوا کہ

"اور یہ منجھلے میاں اور چھوٹے میاں کس کام کے ہیں؟

غرض ہر طرح اطمینان ہو گیا کہ اب بھینس آئے گی اور مُلّا رموزی ہی کے گھر میں آئے گی کیونکہ جس گھر میں "بزرگ" موجود ہوں اس گھر کے چھوٹے اگر افلاطون بھی ہو جائیں تو کون سنتا ہے اور ویسے بھی قابل لوگوں کو اس سفلہ پرور زمانے میں کون پوچھتا ہے ہر جگہ بس رشوت دیجئے یا سفارش لایئے ورنہ خوشامد بغیر تو "نائب کلرک" ہونا بھی بس کی بات نہیں۔"

ابھی وہ ایک دن، بجے ہوں گے کوئی دن کے ساڑھے دو یا کچھ کچھ تین جب کہ ہم معمولی قسم کا نان نمک کھا کر قیلولا بنے چار پائی پر پڑے ہوئے تھے کہ نیند میں ایسا محسوس ہوا کہ جرمنی میدان جنگ سے کچھ گھوڑے بدک کر ہمارے گھر ہی کیا بلکہ دالان ہی میں گھس آئے ہیں۔ بد حواس ہو کر آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ

"وہ" ہمارے دونوں شانے دبا کر کہہ رہی ہیں کہ

ذرا اٹھو تو وہ بھینس آگئی "بھینس" ارے بھینس بازار سے آئی ہے

بھینس خمار کی حالت میں بے ساختہ منہ سے نکلا کہ

"اچھا تو دروازے بند کر کے مجھے لحاف اڑھا دو،

کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور فرمایا،

آپ ہوشیار تو ہو ارے وہ بھینس آئی ہے شیر نہیں آگیا، سب دیکھ رہے ہیں آپ بھی چل کر دیکھ لیجیے۔

اب کچھ کچھ ہوشیار ہو کر ہم نے عرض کیا کہ

اچھا جو بھینس ہی بازار سے خرید کر لائی گئی ہے تو کیا وہ آج ہی کی پنجاب میل سے کہیں واپس جا رہی ہے جو ہمیں اس میٹھی نیند سے جھنجھوڑ کر اٹھایا جا رہا ہے۔

قریب تھا کہ اس سوال پر "وہ" جھنجلا کر فرما جائیں کہ اچھا تو پڑے رہو کہ ہم جمائیاں اور انگڑائیاں لیتے ہوئے اپنی آٹھ آنے ماہوار کرایہ کی حیثیت والی کوٹھری سے باہر نکلے ہی تھے کہ آواز آئی۔

ذرا ادھر ہی رہنا:

گو یہ آواز ہمارے ننھے میاں کی والدہ کو دی گئی تھی مگر ہم سمجھے کہ ہمیں کسی خطرہ سے روکا جا رہا ہے اس لئے "ان" سے پہلے ہم پھر جو کوٹھری کی طرف تیزی سے واپس ہوئے تو پھر کھل کھلا کر ہنس پڑیں اور یہ جملہ کہا کہ آپ بھی عجیب ہیں" اب تک تحقیق نہ ہو سکی کہ اس جملہ کے صحیح معنی کیا تھے۔

"آپ بھی عجیب ہیں" کہ صاف معنیٰ تو یہ ہیں کہ آپ بھی اونچے درجہ کے بزدل ڈرپوک اور بہت ہی معمولی قسم کے مرد ہیں، پھر یہ سوچتے تھے کہ بھلا ایک بیوی اپنے شوہر کو بزدل اور ڈرپوک کس طرح کہہ سکتی ہے مگر جب اونچے خاندانوں کی آج کل کی بعض بیویوں پر نظر جاتی تھی تو ان معنیٰ کے صحیح ہونے پر یقین آجاتا تھا کیونکہ اونچے خاندانوں کی بعض بیویوں کے متعلق خود اپنے ذاتی کانوں سے سُنا ہے کہ شوہر صاحب کو مالدار، اور تعلیم یافتہ بیوی صاحبہ طمانچے تک رسید فرماتی ہیں اور شوہر صاحب پھر بھی باہر اعلیٰ درجہ کے انسان بنے پھرتے ہیں اور تیز کلامی سے تو یہ ۲۵ فی صدی بیویاں چوکتی ہی نہیں۔ مگر دیکھ لیجے گا کہ ایسے "طمانچہ خور" اور "گالی خوار شوہر" اس مضمون کو پڑھ کر بھی ایسی بیوی کے دو چار چانٹے رسید نہ کریں گے یہ کہہ کر کہ "دیکھ او گستاخ یہ "ملا رموزی صاحب نے تیرا میرا معاملہ کس خوبی سے لکھا ہے کہ میرے اور تیرے اوپر بالکل ہی فٹ، اُتر رہا ہے کہ نہیں؟ اس قسم کے "بیوی زدہ شوہر" دولت مندوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اس طبقے میں غریبوں کی طرح "جوشیلی ذہنیت" مفقود ہوتی ہے باقی سب طرح خیریت رہتی ہے غرض اب جو باہر آئے تو دیکھا کہ نئی بھینس سے ہمارے خاندان بھر کا "عظیم الشان دنگل" ہو رہا ہے اس لئے ہم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ بس خیریت اسی میں ہے کہ اس وقت "چار آنے والوں ہی میں "کھڑے رہو مگر افسوس کہ اس وقت اس دنگل کی حدود مقرر نہیں تھیں کیونکہ بھینس آئی تھی سیدھی بازار سے اس لئے جس حصہ کی طرف چاہتی تھی دوڑ پڑتی تھی، اس وقت کے کام کا خلاصہ

تو صرف اتنا تھا کہ نئی بھینس ہونے کے باعث بدک رہی تھی اس لئے اُسے باندھنا قدرے دشوار ہو رہا تھا مگر کام کرنے والوں کی تفصیلات کی رنگینیاں گھر کے ہر گوشہ میں یوں پھیل رہی تھیں کہ

او رُقیہ۔ کیا اندھی ہے تو جو یہاں کھڑی ہے تو

اری بھاگ یہاں سے دیکھتی نہیں ہے کہ اس وقت شیر ہو رہی ہے وہ،

لیجئے بھینس بھی غیر مسلح ہندوستانیوں میں شیر ہو جایا کرتی ہے!

اماں صادق! کیسے مرد ہو تم، ہاں بس مارو اس کے منہ پر ابھی سیدھی ہوئی جاتی ہے بدذات کہیں کی،

لاحول ولا قوۃ۔ ابے رسّی کیوں چھوڑ دی تو نے اس کی؟

آیا بڑا بھینس والا کہیں کا۔"

اُفوہ اُفوہ،

چلئے ہٹئے ادھر سے بس دیکھ لیا آپ کو اور آپ کی بہادری کو،

بس بس خالو میاں اب ہو جائے گی سیدھی، آخر وہ بھی خدا کی مخلوق ہے،

ہٹنا ہٹنا، بسم اللہ بسم اللہ دیکھوں کہاں چوٹ آئی؟

استغفراللہ بھینس ہے یا مصیبت؟

ہاں ہاں اوپر سے رسی ڈالو اوپر سے،

اماں رہنے بھی دو شرم تو آتی نہیں تم کو عورتوں کی طرح کھڑے بک رہے ہو۔ ذرا ادھر آؤ نا۔

ہاں چل چل، بس بس،

سچ کہتا ہوں، خدا کی قسم جواب کے نکل گئی نا گھر سے تو پھر سیدھی گاؤں نہ پہنچے تو کہئے گا مجھ سے،

اور خالو میاں راستہ میں کتنوں کو زخمی کرے گی یہ نہ کہئے گا؟

آپ تو رہنے ہی دیجئے اپنا مُلّا رموزی پن، بس کھڑے ٹر ٹر کرنے چلے ہیں

اماں ہاں سچ تو کہتا ہوں کہ تم تو عورتوں سے بھی بدتر ہو۔ لیجئے ایک بھینس کے معاملہ میں برسوں کا مانا ہوا مرد مُلّا رموزی عورت بن گیا"

انا للہ میں کہتا ہوں کہ اس رقیہ کی آج شامت ہی آرہی ہے تو کمبخت تجھ سے آخر اندر کیوں نہیں رہا جاتا۔

افوہ بھئی وہ تمھارے کپڑوں ہی سے تو بدک رہی ہے اور تم ہو کہ اس کے سامنے ہی کود رہے ہو، بس اس طرف سے بڑھانا اب کی؛

دیکھ بے اب کے رسّی چھوڑی ہے تو سر توڑ ڈالوں گا تیرا،

آپا آپ تو خدا کے لئے ہٹ جائیے۔

لیجئے آپ الٹا غصہ کرتی ہیں، خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اگر ایک سینگ مار دے گی تو پیٹ کا تمام ڈاکخانہ باہر نکل آئے گا۔

ہاں شاباش شاباش صادق میاں تم ہی سے ہو گا یہ کام

جی ہاں ساجد صاحب آپ نے تو اتنا بڑا پایا ہے اُسے بھلا اب کی ذرا ہمت کر کے باندھ دو بٹیا تو جانیں تم کو پہلوان۔

ہٹنا ہٹنا۔ بسم اللہ بسم اللہ لاحول ولا قوۃ،

اماں لکڑی تو لو ہاتھ میں پہلے"

اچھا تو رستم خاں آپ ہی کو دیکھوں اب کی ،

لونڈے ہونا آخر کار، غصہ کرتے ہو بیکار ،

کیا کہا غصہ ،

لیجیئے تو ذرا آپ ہی باندھ دیجیئے آ کر اس کو ،

رہنے بھی دیجیئے بس باتیں کرنا آتا ہے آپ کو ،

دس مرتبہ دیکھ چکا ہوں آپ کی بہادری ،

تو میں کیا کہہ رہا ہوں خالہ بی وہ خود تو آپ سے باہر ہو رہے ہیں ،

اللہ ہم کہہ رہے ہیں کہ وہ ذرا شریف میاں کو بلا لو وہ ابھی سیدھی کر دیں گے ، تو کیا ہم زنانے میں جو شریف میاں صاحب کو بلایا جا رہا ہے ؛

اے صاحب اگر یوں کھینچ لیتا ہوں اُسے تو وہ سیدھی کھڑی نہیں رہ سکتی ،

مصیبت تو یہ ہے کہ مکان بھی تو کمبخت اسقدر تنگ ہے ۔

جی ہاں اُردو کے نامور ادیب مُلّا رموزی صاحب ہی کا تو گھر ہے جن کے قدرداں ناظرین ان کے ساڑھے تین روپیہ کی کتاب "عورت ذات" بھی مفت ہی ملاحظہ فرمانے کے خواستگار ہیں ،

ہاں ہاں ساجد میاں بس یونہی کھینچے رہنا ذرا ،

لگے لگے ٹانگ پر ،

ہٹ ہٹ ذرا پیچھے !

ارے بچو تم تو خدا کے لیئے تھوڑی دیر اندر ہی رہو ،

قرآن کی قسم ہاتھ بیکار ہو گئے ہیں خالہ بی باز ارے یہاں تک

جس طرح لایا ہوں اسے،

اس موقع پہ خاکسار مُلّا رموزی نے دالان کے اندر ہی سے رائے پیش کی کہ وہ احمد حسن ماموں کو بلا لیا جائے وہ ابھی سیدھی کر دیں گے اسے وہ بھینس کے معاملات کو خوب جانتے ہیں تو ایک بزرگ کی طرف سے جواب عطا ہوا۔ ذرا اس جواب میں مُلّا رموزی صاحب کی حیثیت ملاحظہ فرمائیے۔

بس بس رہنے دیجئے۔ مولوی صاحب آپکے احمد حسن صاحب کو۔

لاحول ولا قوۃ، بس بھائی کیا جان سے مار ڈالو گے اسے آخر وہ بھی خدا کی مخلوق ہے؟

اُفوہ،،

صدق غصہ ہی کر لو یا بھینس باندھ دو؟

ہٹّا ہٹّا اُفوہ،

اماں یہ بھینس جان تو لے گی آج کسی کی؟

اس موقع پہ خاکسار مُلّا رموزی کی قمیض کا دامن کھینچکر بولیں کہ آپ تو خدا کے لئے خموش ہی کھڑے رہیئے ورنہ پھر خواہ مخواہ خالو میاں بکنا شروع کریں گے تو گھر میں رہنا حرام کر دیں گے، ابھی یہ تنبیہہ فرمائی جا رہی تھی کہ بھینس نے پھر قلابازی سے جو کام لیا تو ہمیں دالان ہی میں چھوڑ کر خود کمرہ میں، اب پھر "دنگل" شروع ہو گیا،

لاؤ لاؤ مجھے دو رسی، وہ شاید تمھارے گانے گوٹے سے بدکی ہے؟

ہائے تیری کمبخت کی بچی،

تو اب بیٹی ذرا بھاگو تو دیکھوں تم کو ؟

ہاں ذرا کس کر، میں کہتا ہوں خدا کی قسم پھر نہ بھاگ کھڑی ہو تو میرا نام،

شاباش شاباش ساجد،

ہاں میاں تم ہو بھی گھر میں سب سے زیادہ ہمت والے،

اس موقع پر خاکسار ملا رموزی سے دالان میں نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ "اور میں ؟" تو جواب کی خوبصورتی ملاحظہ ہو، ارشاد ہوا کہ بس رہنے بھی دو کھڑے میں میں کر رہے ہو، اماں شرم تو آتی نہیں تم کو اس سے تو عورتوں کی چوڑیاں پہنکر بیٹھ گئے ہوتے، مرد کی صورت اور یہ بزدلی، لاحول ولاقوۃ۔

لیجئے ایک ادیب اگر بھینس کی اچھل کود میں شریک نہ ہو اور نہایت وقار کے ساتھ دالان سے کھڑا ہوا مشورے پیش کرتا رہے تو پرانے خیال کے بزرگوں کی نظر میں آج کل بزدل قرار پاتا ہے۔

ہاں آپا بی اب آجائیے آپ لوگ باہر،

باندھ دیا کمبخت کو میں نے،

ہاں ہاں صاحب خوب دیکھ لیا میں نے اب انشا، حرکت بھی نہیں کر سکتی

آپ سمجھے اس کا مطلب کہ "اب آپ لوگ باہر آجائیے" مطلب یہ ہے کہ جب تک بھینس باندھنے کا دنگل بپا رہا ملا رموزی صاحب کے خاندان کی تمام خواتین عرف عورتیں کوٹھریوں اور کمروں میں بند رہیں حالانکہ کہنے کو ہم سب لوگ افغان ہیں مگر ہندوستان میں آکر بس جانے والے افغانوں کو آپنے بھی دیکھا ہی ہوگا سب سے اونچی بہادری ہم افغانوں کی یہ کیا کم ہے کہ نمک خوار

سجنے ہوئے ہیں۔

غرض خدا خدا کرکے جو بھینس کو باندھا گیا تو خالو میاں تھے کہ ہر ایک کو اس نظر سے دیکھ رہے تھے کہ "کیوں دیکھا کس بہادری کے ساتھ میں نے بھینس کو باندھ کر چھوڑا اب اس ہنگامے سے فراغت نصیب ہوئی تو اب عورتوں اور بچوں نے "بھینس بینی" اور بھینس دکھائی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ

ایک بولیں

ماشاء اللہ خدا مبارک کرے ہے تو ماشاء اللہ ہاتھ پاؤں کی اچھی ، اور ماشاء اللہ ہے بھی نئی عمر کی ، دوسری بولیں۔

مگر ماشاء اللہ قیمت بھی تو دیکھو ؛ تیسری بولیں۔

اور دیکھنا خالہ بی ماشاء اللہ اس کے سر پر چاند بھی ہے۔

چوتھی بولیں

مگر بوا اس کے سینگوں سے خدا ہی بچائے مگر انشاء اللہ چند دن میں اس کی مارنے کی عادت بھی جاتی رہے گی اس موقع پر خالو میاں اندر ہی سے بولے، آج ہی میں نے ایسا سیدھا کر دیا ہے اسے کہ اب انشاء اللہ سر بھی نہیں ہلائے گی عمر بھر اور ویسے بھی جانور ہے کہہ نہیں سکتے۔

خاکسار ملا رموزی بولے کہ

خالو میاں جب وہ سر بھی نہیں ہلا سکتی اور کہہ بھی نہیں سکتے تو پھر فرمائیے کہ آپ نے کونسا اطمینان بخش انتظام فرمایا تو کھسیانے ہو کر کوٹھری سے باہر نکل کر بولے کہ۔

صاحبزادے۔ مطلب یہ ہے کہ جانور رفتہ رفتہ ہی مانوس ہوتا ہے۔ اب ہم آج ہی کیے کہدیں کہ وہ اب بالکل ہی نہ مارے گی اور پھر ماشاء اللہ یہ آپ کا لونڈوں سے بھرا گھر، بس یہ ہے کہ اب اس کے پاس ہجوم نہ کیجیے آپ لوگ اب ذرا اُسے گھانس دانہ کھانے دیجیے مگر خالو میاں کی کون سنتا ہے تھوڑی ہی دیر میں وہ پڑوس کی کچھ آئیں اور بولیں کہ

اخا آپا بی یہ بھینس منگائی ہے آپ نے ماشاء اللہ۔ خدا مبارک کرے، چلو ہمیں بھی دودھ کا آرام ہو جائے گا ورنہ کوس بھر سے منگایا کرتے تھے اور انشاء اللہ دودھ بھی خوب دیگی، یہ سنکر پھر خالو میاں اندر سے بولے،

جب دودھ دے گی تب پتہ چلے گا کہ کیسی بھینس لایا ہوں چھانٹ کر؟ مگر یہ ہے کہ اب اسے خوب گھانس دانہ دیجئے کیونکہ جانور تو اسی سے رہتا ہے،

ارے بھابی جان آپ بھی تو آکر دیکھئے۔

ہماری طرف اشارہ کرکے بولیں

ہاں آتی ہوں بیا آپ دیکھئے۔

مطلب یہ تھا کہ مُلّا رموزی کو باہر چلا جانے دیجئے پھر میں ذرا آزاد ہو کر اور اکڑ اکڑ کر اس بھینس کے نقصانات بتاؤں گی کہ فوراً ہی خالو میاں بولے۔

کیوں بھئی دُلھن کیا تم نہ دیکھو گی اس بھینس کو بات کیا ہے آخر،

اب تو جانا ہی پڑا مگر ہم دیکھ رہے تھے کہ دور ہی سے کھڑی آہستہ آہستہ کچھ فرماتی تھیں اور ہماری طرف بھی دیکھتی جاتی تھیں کہ محلہ کی ایک اور آکر بولیں کہ

واہ بیوی خوب یہ الگ ہی الگ بھینس منگالی اور خبر تک نہ کی کہ خالو میاں نے

فوراً ہی تو کہا کہ تو کیا ابھی تمہیں بھی ضرورت ہے۔ ہاں تو وہ یہ ہے کہ مجھے قیمت دیدو یہ موقع اچھا ہے میں دیکھ آیا ہوں ابھی دو چار بھینسیں اور باقی ہیں اور بڑے دودھ کی ہیں، مگر بھئی پہلے تم اپنے گھر کے آدمیوں سے مشورہ کر لینا ورنہ کل کو کہو کہ خالو میاں نے لوٹ لیا وہ تو کہو کہ آپ ہی ہماری عزیز اس لئے وہ منہ سے نکل ہی گیا کہ میں لادوں گا۔ اس موقع پر ہماری ننھے میاں کی والدہ کو دیکھا تو وہ کچھ بھنا کر ان محلے والی بیوی سے فرما رہی تھیں، مطلب یہ ہی ہوگا کہ خالو میاں تو ہیں دیوانے ہر ایک کی بات میں دخل دیا کرتے ہیں کہ ایک بولیں کہ ماشاءاللہ چار پانچ سیر دودھ کی معلوم ہوتی ہے کہ خالو میاں کوٹھری سے پھر آئے ہی تھے کہ جواب دیں، مگر معلوم ہوا کہ اسوقت بھینس کی طرف" جانے کی سخت ممانعت ہے" کیونکہ کچھ عورتیں بھی معائنہ فرمانے آئی ہوئی ہیں اس لئے کچھ گنگناتے ہوئے پھر اندر چلے گئے۔

مذکورہ بالا معائنہ میں دیکھا ہوگا کہ فی عورت کوئی دس دس بار لفظ انشاءاللہ اور ماشاءاللہ اس لئے صرف ہوا کہ گھرانا ہی ہم لوگوں کا پرانے زمانے کا اور خالص اسلامی اور مشرقی آداب والا ہے اسلئے جملہ روایات وطن زندہ ہیں ورنہ اسی بھینس کو اگر آج کل کی" اسکول یافتہ عورتوں" کے سامنے لایا جاتا تو ایک تحقیر آمیز تبسم کے ساتھ چند جملے کہکر پیانو بجانے میں مصروف ہو جاتیں اور بعض" گڈ" کہکر کلب تشریف لے جاتیں۔

اس معائنے اور مبارک سلامت کے طویل سلسلہ کے بعد اب بھینس کی آئندہ زندگی اور جملہ متعلقات کے مسائل نہایت اہم قرار دیے گئے اس لئے

آج ہی کی فرصت میں ان "دشوار تر مسائل" کے حل کا سلسلہ اور مذاکرہ یوں جاری رہا کہ ملّا رموزی کا رہنا محال سا نظر آنے لگا خاص کر خالو میاں کی عجیب عجیب احتیاط آفریں تجویزیں اس معرکتہ آلارار معاملے کی جان تھیں۔

اب بیٹھے کیا ہو صادق، فکر یہ کرو کہ صبح ہی سے بھینس چرنے چلی جائے، کیونکہ وہ یہ ہے کہ جنگل میں چرنے والا جانور ہے، صادق نے خالو میاں کے اس حکم کی تعمیل میں قدرے جھنجلا کر کہا اونھ ابھی سے آپ کو اتنی فکر کیوں ہے۔ کہدوں گا وہ خوشیا سے لیجایا کرے گا وہ اپنی بھینسوں کے ساتھ، پان کا کوئی نصف چھٹانک وزن کا پیک تھوک کر خالو میاں بولے۔

جی ہاں تمھاری طرح لونڈے تو ہیں نہیں ہم کہ جانور کو گھر پہ باندھ کر یوں آرام سے بیٹھ جائیں اور جو تم کہتے ہو صادق کہ وہ خوشیا سے کہدوں گا چرانے کو تو بھئی پھر تمہاری بھینس کا خدا حافظ ہے وہ دیکھا نہیں تم نے کہ اسی خوشیا مردود نے مولوی صاحب کی بھینس کو مار کر رکھدیا اور ویسے بھی خوشیا ہندو ہے اور وہ کلا چرواہا کیسا ہے وہ مسلمان بھی ہے کیونکہ بھئی وہ کانپور کشمیر وغیرہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچائے ہیں اسوقت سے میں تو ہندوؤں کو کچھ اچھا نہیں سمجھتا اس ہندو مسلم سوال پہ ملّا رموزی پھر بولے کہ خالو میاں بھینس کے مقابلہ میں ہندو مسلمان کی کیا تمیز جب کہ خود بھینس کے لئے اب تک طے نہیں پایا کہ بھینس ہندو ہوتی ہے یا مسلمان؟

اسی طرح بلند خیال اور اعلیٰ تعلیمیافتہ لوگوں میں ہندو مسلمانوں کی نا اتفاقی پورے ہندوستان کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ آپ اسے

اور بڑھانا چاہتے ہیں کیا؟ صادق بیچ ہی میں بولے کہ اور یہ جو آپ کے ہندو اسلامی ریاستوں میں اودھم مچانے آرہے ہیں تو؟ اس پر ہنسنے کہا کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ہندوستانی حصول آزادی والی تحریک اور بیداری کو سو سال پیچھے ڈھکیل دینے کے مرتکب ہوں گے کیونکہ جس طرح شدھی کی تحریک سے ہندو بھائیوں نے مسلمانوں کو خود سے مشتعل کر کے گول میز کانفرنس لندن میں ناکامی کا منہ دیکھا اسی طرح اب وہ اسلامی ریاستوں میں دخل دے کر ہندوستانیوں کی متحدہ بیداری کو ہمیشہ کے لئے برباد کر دیں گے کیونکہ ان کی یہ تحریک محض کشمیر کے انتقام کے طور پر ہے کسی اہم اور انصاف کی ضرورت پر نہیں ہے اب جو یہاں تک ہم بولے تو خالو میاں کے غیر سیاسی دماغ میں صرف اتنا خیال پیدا ہوا کہ کڑک کر بولے کہ

بس تو پھر میں کیا بُرا کہہ رہا ہوں کہ خوشیا سے نہ کہو بھینس چرانے کو

ارے ذرا خموش تو رہو،

دیکھ تو بیٹے کیا وہ پھر رسی کو توڑتی ہے کچھ کودنے کی سی آواز آئی تھی مجھے، نہیں اب وہ حرکت نہیں کر سکتی مگر ہاں گھاس کی فکر کرو، بھئی ساجد خالو میاں نے بے پرواہ لہجے میں کہا،

کون شریف میاں؟

ارے بھئی آجاؤ تم سے ایسا کون پردہ ہے؟

لو بھئی تو اب تم بھی آگئے ہو میں کہتا ہوں کہ اس وقت اس بھینس کے چرانے کا معاملہ طے ہو جائے گا صادق نے پھر تاؤ کھا کر کہا۔ خالو میاں

آپ بھینس سے زیادہ مصیبت میں ہیں۔ کہدیا میں نے کہ صبح سب انتظام ہو جائے گا۔ مگر آپ ہیں کہ اسی جھگڑے میں اُلجھے ہوئے ہیں، قریب تھا کہ خالو میاں کے تاؤ کا پارہ پھر کھل جائے کہ شریف میاں نے فوراً ہی کہا کہ نہیں صادق میاں، خالو میاں سچ فرماتے ہیں کہ بھئی جب ایک کام کیا ہے تو پھر اُسے پورا ہی کیا جائے، اب تو خالو میاں کے مدبرانہ اور حاکمانہ غرور کے نتھنے پھول گئے فوراً بولے۔

جزاک اللہ بھئی شریف

آخر کیوں نہ ہو معاملے کے آدمی ہو، ان لونڈوں کا کیا،

واضح ہو کہ خالو میاں کے بتائے ہوئے لونڈوں میں اس وقت یہ ایک بال بچے والا ملّا رموزی بھی شامل تھا۔

کون احمد حسن؟ آجاؤ بھئی آجاؤ۔

لو بھئی اب ذرا آپ لوگ چل کر اس بھینس کو دیکھ لو، خالو میاں نے ان دونوں "مبصرین بھینس" سے فرمایا۔

آجاؤ آجاؤ قریب۔ قریب، وہ یوں نہیں مارتی، بس کھڑی رہ خموش ہاں ادھر سے دیکھو،

یہ یہ، ماشاء اللہ کیا بات کہی تم نے بھئی احمد حسن،

انشاء اللہ انشاء اللہ،

ہوں ہوں، بس کھڑی رہ سیدھی،

آجاؤ آجاؤ ذرا قریب سے دیکھو، ڈرو نہیں اس سے وہ تو ذرا یونہی

بدکتی ہے۔

ہاں تو اب ذرا اپنی خالہ سے کہو کہ کیسی بھینس لایا ہوں،

ارے بھئی بچوں کا گھر ہے، بچوں کا گھر ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ اپنے بچوں کو اس سے دور رکھئے نا کیوں بھئی احمد حسن ؟

اس موقع پر خاکسار ملا رموزی کو پھر اتنا بولنا پڑا کہ خالو میاں آخر گھر کے بچے بھینس کے بچے تو نہیں ہیں جو انہیں بھینس کی طرح باندھ کر رکھا جائے وہ تو غنیمت ہی ہوا کہ احمد حسن ماموں فوراً بول اٹھے کہ ارے بھئی وہ چند دن میں سیدھی ہو جائے گی ایسی وہ کہاں کی شیرنی ہے، ورنہ خالو میاں کا جواب خدا جانے کیا رنگ لاتا ؟

واضح ہو کہ اس بھینس کے ہاں اولاد پیدا ہونے میں ابھی کچھ دن باقی تھے مگر اس چرانے کے انتظام کی طرح خالو میاں نے ایک پیشگی معاملہ اور پیش فرمادیا اچھا بھئی اس وقت آپ سب لوگ موجود ہیں تو یہ بھی طے ہو جائے کہ اس کے دودھ کا اب کیا انتظام ہوگا ؟ کیونکہ آج کل تو گھر گھر بھینس موجود ہیں کوئی دوکاندار راضی نہیں ہوگا، مگر یہ کام ہے کرنے کا اور بھئی ہم سے سن لو کہ یہ کام احمد حسن تم کرو یا یہ میاں شریف ذمہ لیں ورنہ ان لونڈوں سے تو ہمیں کوئی امید نہیں اور ویسے بھی تمہاری خالہ جو ہیں۔

دیکھا آپ نے یہاں بھی خالو میاں نے ملا رموزی کو اشارتاً لونڈوں میں شامل کر دکھایا، خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے اس لئے وہ خالہ بی بول اٹھیں کہ آخر یہ دودھ کا معاملہ ابھی سے کیوں طے ہو رہا ہے جب وقت آئے گا

دیکھا جائے گا۔

تو گویا پہلے سے ایک بات کو طے کر لینا فضول سی بات ہے آپ کے نزدیک خالو میاں نے منہ پھیر کر خالہ بی سے کہا، مگر خالہ بی نے جو ہماری طرف دیکھا تو ہمنے کہا کہ جی ہاں ہو جائے گا سب انتظام ہمارے دوستوں میں چائے کے لیئے دودھ کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے کہ خالو میاں نے چمک کر کہا، بس میاں مُلّا صاحب میں نے آپ کے دوستوں کو خوب دیکھ لیا۔ ہاں وہ آئے تھے نا آپ کے ایک دوست جو کہکر گئے ہیں کہ میں نظام حیدر آباد سے تمھارا وظیفہ کراؤں گا۔ پھر کہیئے کہ آج تک انھوں نے جواب بھی دیا آپ کو؟ بس آپ کے دوست تو جتنے ہیں سب زبانی جمع خرچ کے ہیں، امید ہے کہ خالو میاں کے اس واقعی بیان سے مُلّا رموزی کے احباب خفا نہ ہوں گے۔ کیونکہ بھینس کے دودھ کے تبصرہ میں ان احباب کا تذکرہ چنداں مضائقہ کی بات نہیں۔ ادھر سب سے زیادہ مشکل معاملہ یہ تھا کہ اس موقع پر تردید کرنے سے خطرہ تھا کہ خالو میاں مُلّا رموزی کے ظاہری قدردان اور بہ باطن مخالف احباب کا اس سے زیادہ بھانڈا پھوڑ کر رکھدیتے لہٰذا خموش ہو رہے تو معاملہ ٹل گیا اور خالو میاں اسی روانی کے ساتھ بولے،

میرے خیال میں تو صادق ہی دودھ کی دکان قائم کر لیتے تو خاصا نفع تھا مگر صادق صاحب نے اسے اپنی توہین قرار دیتے ہوئے کہا کہ۔

کل کو کہدیجیئے گا کہ بازار میں پان بیڑی بھی فروخت کرتے پھرو، اچھا بھئی نہیں کہتے کہ آپ دودھ کی دکان قائم کرو، وہ تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے

نوجوان لونڈے تو تجارت کے نام ہی سے بھاگتے ہیں انھیں تو بس ناٹک کا تماشا دیکھنے کے لیے چھوڑ دیجیئے تو خوش ہیں، بہت اچھا صاحب آپ دوکان نہ قائم کیجیئے تو اب گویا ہم بزرگ ہو کر دودھ فروخت کرتے پھریں گے بہت اچھا، یہاں پھر خالہ نے بات کاٹی تو خالو میاں نے کھانس کر فرمایا کہ

اچھا بھئی احمد حسن اب ہم تو سوتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو تم ان معاملات کو طے کر کے اُٹھنا کیوں کہ بس تم ہی ایک تجربہ کار آدمی ہو۔ لیجیئے یہاں بھی خالو میاں نے مُلا رموزی کو تجربہ کاروں میں شامل نہ فرمایا اور پانوں کی ڈبیاں اٹھا کر خواب گاہ میں پہنچے مگر چارپائی پر کوئی دس منٹ تک خموش لیٹے رہنے کے بعد یکایک کھانس کر بولے۔

اماں احمد حسن تم ادھر ادھر کی باتوں میں وقت کاٹ رہے ہو اور وہ جو میں کہکر آیا ہوں؟

ارے بھئی کیا کہا تھا وہی دودھ فروخت کرنے کا انتظام اور سنو بھئی میں یہ بھی کہے دیتا ہوں کہ بھینس لانے کا میں ذمہ دار ہوں اور اس کے دودھ دینے اور نہ دینے کا میں ذمہ دار ہوں مگر کل کو آپ لوگ اگر کہیں کہ خالو میاں یہ آج کا دودھ تو فروخت ہی نہیں ہوا سو اس کا حساب میں ذمہ نہیں لیتا اور ہاں وہ خوب یاد آیا کہ وہ چرواہے کا انتظام بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ اس وقت اندازہ سے معلوم کیا گیا کہ خالو میاں اپنی چارپائی پر اٹھ کر بیٹھ گئے تھے اور پورے زور سے گفتگو کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا مگر لیجیئے وہ چارپائی پر سے اُٹھ کر خالو میاں صاحب پھر ہم لوگوں میں یہ کہتے ہوئے تشریف

سے لے آئے کر

دیکھو جی میں تو اب تک کبھی کا سو گیا ہوتا مگر پھر اس بات کا کہنا ضروری سمجھا کہ اگر تم لوگ اس بھینس کے دودھ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو میں نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کرنا ہوگا، ورنہ سنو احمد حسن میں تم سے اور تمھاری خالہ سے بھی کہے دیتا ہوں کہ یا پھر مجھے جواب دیدو تو میں کل ہی اسے وہی طرح واپس کرکے تمہاری قیمت تمھیں لائے دیتا ہوں کہ کل وہ مولوی صاحب مجھے بازار ہی میں پانچ روپیہ نفع دیکر اس بھینس کو مجھ سے مانگ رہے تھے یہ کہکر خالو میاں نے ایک پان اور کھایا اور آہستہ سے فرمایا کہ اب نیند تو خراب ہو ہی گئی ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اب خالو میاں ہم لوگوں کا ناطقہ بند کرنے کی خاطر دو گھنٹے کے لئے اور تیار ہو گئے اس لئے خالو میاں کو ٹالنے کے لئے خاکسار ملا رموزی نے عرض کیا کہ خالو میاں اتنی باتیں تو آپ چارپائی پر ہی سے فرما سکتے تھے یہاں تک دوبارہ آنے کی کیوں زحمت گوارا فرمائی ؟ جواب میں خالو میاں نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ہمیں کسی قدر ناؤ سے گھورا اور فرمایا کہ ہاں بھئی احمد حسن تو پھر کیا رہا فیصلہ ؟

خالو میاں کا ہمیں صرف گھور کر رہ جانا یہ کہہ رہا تھا کہ تم بے وقوف ہو اس لئے تمھیں کون جواب دے۔

حاصل کلام پھر کوئی پندرہ منٹ تک خالو میاں کے انمول یا تباہ کن سوالات کا سلسلہ یوں جاری رہا کہ مجلس کا ہر فرد تنگ تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا اس لئے کہ خالو میاں ہی خاندان میں سب سے زیادہ عمر کے ہیں خاص کر

خالو میاں کی یہ حرکت بے حد تکلیف دیتی تھی کہ ایک سوال کا پورا جواب پاکر آپ جانے کے لئے آدھے کے قریب کھڑے ہو کر پھر بیٹھ جاتے تھے ۔ یہ کہکر کہ اچھا تو وہ اس کا کیا فیصلہ کیا تم نے ؟

بھینس کا لڑکا

بجے ہوں گے رات کے سوا تین کہ ہماری نیند سے دبے ہوئے ثنا نے دبا کر چلا چلا کر بولیں ۔

اے ذرا اٹھئے تو وہ بھینس نے بچہ دیا ہے ۔ خدا کی قسم کیسا پیارا بچہ دیا ہے، سب دیکھ رہے ہیں آپ بھی تو دیکھئے چل کر، انہوں نے تو یہ فرمایا اور ہم نے یہ تکلیف محسوس کی کہ واقعی ہمارے گھر میں بھینس پالنے کا پیشہ آبائی اور تجارتی نہیں ہے بلکہ محض دودھ فروخت کر کے آمدنی میں اضافے کی غرض سے یہ مصیبت سر لی گئی ہے ۔ اسی لئے یہ رات کے تین بجے گھر کے ہر فرد پر بھینس کا بچہ دیکھنے کی وحشت سوار ہے ورنہ اگر بھینس پالنا ہم لوگوں کا آبائی پیشہ ہوتا یا تجارت کے طور پر ہمارے گھر میں ہمیشہ سے بھینس موجود رہتیں تو بھینس کا بچہ دیکھنے کا یہ اشتیاق آج ہم لوگوں میں نہ ہوتا ۔ مگر کرتے کیا "وہ" اٹھا رہی تھیں پھر کیسے آرام فرماتے رہتے کیونکہ دنیا میں نیند سے اٹھانے کے دو مواقع ہی انسان کے لئے نہایت تکلیف دہ اور ناقابل انکار ہوا کرتے ہیں ایک کوئی ہندوستانی جاہل بیوی اپنے شوہر کو

اٹھائے دوسرے ہندوستانی پولس والے آپ کو گرفتاری کے لئے رات کے وقت اس خوف سے نیند سے بیدار کریں کہ اگر دن کے وقت آپ کو گرفتار کیا جائے گا تو عوام آپ کے "پولس پن" کو مزا چکھا دیں گے، وہ جیسا کہ بمبئی میں جناب ایم، این، رائے۔ کو اور لاہور میں مشہور جہاز گوما گاٹا مارد کے لیڈر جناب گرو جی کو سوتے میں سے یہ کہکر گرفتار کیا گیا کہ اٹھیئے بھائی صاحب اور گرفتار ہو جائیے اس لئے کہ ہم پولیس والے ہیں اور یہ لیجیے یہ آپ کا دن کے وقت کا دستخط کیا ہوا وارنٹ اس لئے اٹھیئے اور جو بھینس کے پاس جا کر پہنچا ہے تو سارا خاندان جمع تھا۔ مگر گفتگو میں یا تو ماشاء اللہ اور سبحان اللہ کی صدائیں سب سے اونچی تھیں یا خالو میاں ہنگامہ آرا باتیں، فرما رہے تھے کہ

اب دیکھنا انشاء اللہ اس کا دودھ، گویا اب یہ بھینس دودھ کے سمندر ہی تو بہادے گی۔

کیوں بھئی دیکھتے ہو احمد حسن کیا حسین بچہ دیا ہے ؟

بدقسمتی سے ملا رموزی کے شہر میں بھینس کے لڑکے کی کوئی قدر اس لئے نہیں ہے کہ لکھنؤ اور کانپور کی طرح یہاں بھینسا کام میں نہیں آتا یعنی وہ گاڑی اور ٹھیلا نہیں کھینچتا اور چونکہ بھینس کی لڑکی بھینس ہو کر دودھ دیتی ہے اس لئے اس لڑکے کے پیدا ہونے سے ہم لوگوں میں جو ایک طرح کا افسوس محسوس ہو رہا تھا اسے خالو میاں مختلف طریقوں سے اس لئے مٹانے کی کوشش کر رہے تھے کہ بعض نے آہستہ سے یہ بھی کہدیا تھا کہ واہ خالو میاں کیا بھینس لائے آپ کہ اس نے بجائے لڑکی کے لڑکا دیا، اس لئے خالو میاں

کیا بھینس لائے آپ کہ اس نے بجائے لڑکی کے لڑکا دیا، اس لئے خالو میاں ہر طرح سے زور لگا رہے تھے کہ ہم لوگ اس لڑکے ہی سے خوش ہو جائیں۔

اونہہ رقیہ دیکھا تو نے بیٹی یہ اس کے سر پہ بھی چاند ہے۔

ہاں بھئی اب تو ہی کھلایا کرے گی اس بچہ کو نا؟

آجا آجا قریب وہ ابھی مار تھوڑا ہی سکتا ہے بیٹی،

دیکھنا بھئی صادق ذرا ابھی بھینس کے قریب نہ چلے جانا تم کیونکہ ابھی وہ کچھ دن تک مارتی رہے گی سب کو اس لئے وہ ہے ابھی بچے کی محبت میں۔ نہ بیٹی ابھی وہ گھاس نہیں کھا سکتا۔

ایک بولیں۔

خیر جی خدا مبارک کرے۔ بچہ ہے ماشاء اللہ بھورے رنگ کا اگر بالکل ہی کالا ہوتا تو ذرا بُرا معلوم ہوتا،

دوسری بولیں، آپا اس کے گلے میں کوڑیوں کا ہار ڈالیں گے۔ انشاء اللہ تو پھر بڑا خوبصورت معلوم ہوگا۔

تیسری بولیں، مگر خالہ بی یہ میاں ننھے کو بچانا۔ کیونکہ ابھی بچہ ہے اور جانوروں کے اتنے بچے کودتے اُچھلتے زیادہ ہیں۔

چوتھی بولیں، مگر یہ کمبخت میرے درخت کھا جایا کرے گا۔

خالو میاں بولے۔ مگر اب یہی موقع بھینس کو طاقتور چیزیں کھلانے کا ہے ورنہ پھر مجھ سے دودھ کی کمی کی کوئی شکایت نہ ہو۔

اور بھئی محمد حسن بونو کہ کل سے جو یہ انشاء اللہ دودھ کا سلسلہ شروع ہوگا تو۔

اس موقع پر پھر خاکسار مُلّا رموزی سے نہ رہا گیا تو اس نے عرض کیا کہ اب رات کے چار بجا چاہتے ہیں اس لیۓ اگر کل دن کے وقت یہ معاملات طے ہوں تو کیا خرابی۔

خالو میاں بھنا ہی تو گئے اور فرمایا۔

آپ کو کون مردود خواب سے اٹھا کر لایا ہے جو آپ اپنی منطق جھاڑ رہے ہیں، پاس ہی کھڑی تھیں "وہ" ہم نے فوراً ہی کہدیا کہ یہ راب خالو میاں نے "**اون**" کا تمام شوقِ تماشہ خاک میں ملانا شروع کر دیا کہ

دُلہن ہو تو بڑی بے وقوف۔

بھئی معاف کرنا دُلہن وہ سب بے وقوف تم کو یوں کہا میں نے کہ تم کیوں ان میاں کو اٹھا کر لائیں نیند سے؟ جانتی تو ہو کہ اُن میاں کو بجز اپنی مضمون نگاری کے۔ نہ دین کی خبر ہے نہ دنیا کی وہ دیکھو نا کہ انھوں نے اپنی ملازمت تک کو برباد کر کے رکھ دیا نا اور کہتے کیا ہیں کہ میں قوم اور مذہب کی خدمت کے لیۓ پیدا ہوا ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ قوم اور مذہب سے پہلے تمھارے اوپر اپنی بیوی بچوں کا سنبھالنا فرض ہے مگر تم دیکھو دلہن کہ اس بے وقوف کی سمجھ میں نہیں آتا، دن رات ہے کہ کاغذوں سے آنکھیں پھوڑ رہا ہے اور وہ قوم والے ہیں کہ اتنا نہیں پوچھتے آ کر کہو میاں مُلّا رموزی صاحب تم جو اپنے گھر بار اور ملازمت کی تمام ترقیوں کو خاک میں ملا کر ہمارے لئے دن رات قلم گھسا کرتے ہو تو یہ لو آج ہم بھی تمھارے لیۓ یہ تحفہ لائے ہیں! ہم سب مل کر تمھیں نظام حیدر آباد سے جاگیر دلانے جاتے [illegible] اور [illegible] ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ

108

وہ جو تمھارے ملا صاحب نے تمھارا زیور گرو رکھکر وہ اپنی بڑی موٹی کتاب کیا نام اس کا ہاں وہ "عورت ذات" چھپوائی ہے تو بولو دلہن غلط کہتا ہوں کہ رکھی ہوئی ہے نا وہ اب تک تمھارے ہی کمرہ میں؟ پھر آج کو ایسی ناقدردان قوم کی جگہ اگر تمھارے یہ شوہر صاحب اپنی ملازمت ہی میں اتنی محنت کرتے تو آج ہوتے کہیں کے افسر کیونکہ یہ ہم ضرور جانتے ہیں دلہن کہ خدا نے تمھارے آدمی کو ہم سب میں زیادہ علم دیا ہے مگر اب کون کہے ان سے، تو بھئی دلہن میں تو اب بھی یہ کہتا ہوں تم سے کہ، ہو سکے تو انھیں سمجھاؤ کہ میاں چھوڑو اس مضمون وضمون کو وہ دیکھو۔ وہ بے چارے کیا نام ان کا وہ مولنا محمد علی شوکت علی مر گئے اس قوم کے کام کرتے کرتے مگر سنا ہے کہ اس غریب کے گھر کے لوگوں پہ ہی کے کسی اللہ کے بندے نے الٹا کرایہ کا دعویٰ کر دیا اور نہ شرمایا تو پھر تمھارے شوہر صاحب کو کون جاگیر دیدے گا۔ آہ وہ زمانہ تو کچھ مغل بادشاہوں کا تھا جن کے درباروں میں علم والوں پہ جواہر نثار کئے جاتے تھے

اس موقع پر خاکسار ملا رموزی سے پھر نہ رہا گیا اور عرض کیا کہ

خالو میاں وہ جو آپ نے ایک ہی سانس میں مولنا محمد علی صاحب کے ساتھ مولنا شوکت علی صاحب کو بھی لگے ہاتھوں مرحوم قرار دیدیا ہے تو سن لیجے کہ الحمدللہ مولنا شوکت علی قبلہ ابھی زندہ ہیں اس لئے آپ ان کی درازی عمر کی دعا کیجئے اور صرف قبلہ مولنا محمد علی صاحب کے لئے مغفرت کی دعا فرمایئے

اس پر خالو میاں کی اخباری واقفیت کا جواب ملاحظہ ہو بے تکلفی سے فرمایا۔

ارے بھئی معاف کرنا وہ تو ہم یونہی سنا کرتے تھے اخبار والوں سے کہ وہ

مولینا محمد علی شوکت علی نے ایسا کیا اور ویسا کیا تو ہم بھی سمجھتے تھے کہ یہ ایک صاحب ہی ہیں اور اُس طرف کے لوگوں کے نام ہی کچھ عجیب قسم کے ہوا کرتے ہیں اس لئے ہم نے کبھی اس بات پر غور بھی نہ کیا کہ یہ دو صاحبوں کے نام ہیں یا ایک صاحب کا؟ اور آج کل کے مسلمان ویسے بھی اپنے نام انگریزوں کی طرح رکھتے ہیں جو ہم سے ادا ہی نہیں ہوتے وہ دیکھو نا وہ تمھارے کون دوست آئے تھے وہ دہلی سے جن کا نام ایس، ایم، دین تھا جنھیں ہم کرسٹان سمجھے تھے کیونکہ ان کی مونچھیں بھی صاف تھیں اور کوئی علامت ہی ان میں مسلمان کی نہ تھی مگر وہ تم نے پھر ہمیں بتایا تھا کہ ان کا اصل نام سید محمد دین ہے، اب دیکھو تو بھئی کتنے عمدہ اسلامی نام کو انھوں نے ایس، ایم دین بنا دیا تھا اور پھر کہتے ہیں کہ اس طرف کے مسلمان بڑے عمدہ ہوتے ہیں اور اسلام کی خدمت کرتے ہیں مگر صورت اور نام تک انگریزوں سے ملا کر رکھے ہیں۔

اچھا تو بھئی کیا کہا تم نے کہ یہ مولینا محمد علی شوکت علی صاحب دو بھائی ہیں تو پھر وہ جن کا سنا ہے کہ ولایت میں انتقال ہوا ہے وہ ان کا نام شوکت علی تھا یا یہ جو اب زندہ ہیں، ان کا۔

ہم، ہم نے مولینا محمد علی قبلہ مغفور کا نام بتا کر بات کو اس لئے ٹال دیا کہ اگر جواب دیتے جاتے تو خالو میاں جھنیں اور اس کے بچے کو بھول کر صبح تک خالص سیاسی سوالات ہی فرماتے رہتے پھر آپ ہی بتائیے کہ جس خاندان کے سب سے بڑے بزرگ مولنا محمد علی شوکت علی کو ایک آدمی سمجھتے ہوں اس خاندان کے دوسرے افراد سیاست میں کتنی حسین و لطیف معلومات کے مالک ہوں گے؟ اور ایک نہ بے چارے ملا رموزی کے خاندان پر کیا موقوف ہے۔ اماں چلے جاؤ اس طویل

غرض ملک اودھ میں اس طرف جتنی زیادہ عمر کا مسلمان ملے گا وہ واجد علی شاہ مرحوم کے حالات اور کلکٹر صاحب ضلع کے واقعات تو حفظ سنا دے گا۔ مگر نہ بتا سکے گا تو تازہ سیاسی انقلابات کو پھر جس قوم میں سیاسی واقفیت کو آج بھی ایک مہمل اور غیر ضروری بات سمجھا جائے اور اسکے مستقبل کا اندازہ کیا مشکل ہے ؟

اور مسلمانوں کی یہی تو سیاست ناشناسی ہے جو ۰ اردو کے دوسرے ظرافت نگاروں میں اور ملا رموزی میں۔ یہی تو ایک فرق شروع سے آج تک چلا آیا ہے کہ ملا رموزی کی تحریر میں جو کچھ ہے کسی نہ کسی طرف سے سیاست ہے۔ اور دوسروں کے ہاں ہر طرف سے نری ظرافت ہے .... اور اسی غیر سیاست آگاہی کا نتیجہ تو ہے کہ ملا رموزی سے اچھے اچھے ایڈیٹر لوگ جب طلب کرتے ہیں تو زیادہ کام کا نہیں بلکہ زیادہ ہنسانے والا مضمون لاحول ولا قوۃ ،

غرض یاد ہے کہ بھینس کے بچے کی خوشی قریب قریب صبح تک منائی گئی اور دن ہونے پر تو خدا کی پناہ ، تقریباً پورے محلے میں اخبارات سے شائع ہو گئے تھے کہ ملا رموزی صاحب کی بھینس نے بچہ دیا ہے۔ گھر تھا کہ دن بھر خاصا عجائب خانہ بنا رہا تو بھی آ اور میں بھی آ ، یہ بھی آ تو وہ بھی آ اور بچوں کی تعداد کا صحیح اندازہ تو ہر جگہ ناممکن ہوا کرتا ہے خصوصاً جس محلے میں تعلیم و ہنرمندی سے بزرگ ہی کورے دھرے ہوں ان کے بچوں کو بھینس کے ایک بچے کے تماشہ میں پورا دن برباد کر دینا کون مشکل کام ہے اسلئے خالو میاں ہی دن بھر بچے اور زچہ بھینس کی حفاظت میں سرگرم نظر آتے تھے ۔

ار بھئی دور رہ ذرا دور کون سدوا ؟

اے کہہ رہا ہوں لونڈے کہ بھینس کے پاس نہ جا۔

ہٹ ہٹ او کلو، ابے سنتا ہے کہ نہیں ابھی مار دے گی ایک آدھ سینگ تو پھر باوا آئیں گے چڑھ کر، بس دور سے بیٹھ کر دیکھ بچے کو ہاں جب ذرا بڑا ہو جائے تو پھر کھلانے رہنا اسے سڑک پہ بیٹھے۔

کون رشیدا، ابے تو یوں کہہ کہ تو سعد اللہ خاں کا بیٹا ہے۔ اچھل لے ذرا آ تو اس طرف اس بچے کو ذرا اُٹھا تو اس طرف سے۔

ار بھئی کچھ کھلاؤ گی اس بھینس کو اس وقت ؟

تم جانو بھئی ہمارے خیال میں تو یہی وقت ہے اس کے کھلانے پلانے کا۔

ار بھئی نہ کھلاؤ نہ کھلاؤ مگر یہ بھی نہ کہنا کہ دودھ کم دیا اس نے ؟

خدا خدا کر کے تین دن کے بعد جو چرواہا آیا تو بھینس نے جنگل جانے کے خلاف گاندھی صاحب سے زیادہ اونچی ستیہ گرہ اور سول نافرمانی شروع کر دی جس طرف دیکھئے گھر والے بھاگ رہے ہیں دوڑ رہے ہیں۔ کود رہے ہیں اور چیخ رہے ہیں محض اتنی بات پر کہ بھینس صاحبہ اپنے اکلوتے صاحبزادے کو تنہا چھوڑ کر جنگل جانے پر راضی نہیں تھیں اور خالو میاں اس کوشش میں تھے کہ کہیں یہ بچے کی محبت میں جنگل جانا نہ بھول جائے اس لئے کوئی نصف گھنٹے جو دنگل ہوتا رہا تو دل جانتا ہے کہ کتنا لطیف تھا یعنی آج بھینس کی اُچھل کود اور گھر والوں کی وحشت کا وہی پہلا دن نظر آتا تھا جس وقت یہ بھینس بازار سے نئی گھر میں آئی تھی اور اس کا باندھنا عذاب آخرت بنا ہوا تھا،

112

خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کوئی دس مرتبہ خود خالو میاں بھاگ کھڑے ہوئے تھے دالان کی طرف یہ کہکر ار بھئی ہٹنا اندر کو، مگر سب سے زیادہ غصہ وہ ہوتا تھا، خالو میاں کا جو غریب چرواہے کے اوپر کیا جاتا تھا یعنی خود بھینس کو باہر نکالنے سے ڈر کر چرواہے پر چلاتے تھے کہ

ابے مارتا ہوں جوتا پھینک کر یہاں سے ،
تو پھر کھڑا کیا ہے نامرد ذرا کھینچ رسی پکڑ کر اس کی ،
ہاں بڑھا اور ذرا آگے اب کی ، اس عرصہ میں بھینس گردن ہلا دیتی تھی ، تو خالو میاں دو گز دور بھاگ کر فرماتے تھے کہ ،
تو بس چھوڑ دی نا رسی تو نے ۔

ادھر گھر والوں کو اپنے اوپر ہنستا پا کر یوں خفت مٹاتے جاتے تھے ، کہ اونہ کچھ نہیں وہ دو چار دن اور ذرا بدکتی رہے گی کیونکہ بھئی اولاد کی محبت تو جانوروں میں ویسی ہی ہوتی ہے ۔ جیسی کہ انسان میں اسی عرصہ میں کہیں ایک مرتبہ چرواہے نے آہستہ سے کہدیا کہ حضور تو دور ہی کھڑے رہتے ہیں وہ مجھ اکیلے سے کیسے بڑھے گی آگے ، اب تو خالو میاں کی بات کا سوال تھا اس لئے ہم لوگوں کی طرف دیکھ کر کوئی پانچ قدم آگے تیزی سے بڑھے یہ کہتے ہوئے کہ
ابے تو کیا ہم کو ڈرپوک سمجھتا ہے تو ،

لے اب ہم آگئے یہاں تک اب تو بھی ادھر سے رسی کھینچ اسکی غرض وہ ساجد ہی سے نہ رہا گیا اور انھوں نے جا کر بھینس کے ٹھیک منہ پر جو دس بارہ بید رسید کئے تو بھینس گھر سے باہر اور خالو میاں یہ کہتے ہوئے اپنے کمرہ میں کہ

لونڈے ہی تو ہیں جب کام پہ آجاتے ہیں تو یوں دو منٹ میں بڑے بڑے کام کر گذرتے ہیں ورنہ آج کل کے نوجوانوں سے تو ہم بوڑھے ہی اچھے، آج کہو تو دس کوس پیدل چل کر بتا دیں کشتی لڑنے میں ہم اچھے گھوڑے کی سواری میں ہمیں دیکھ لے کوئی وزن اٹھانے میں کر لے کوئی ہم سے مقابلہ اور جناب یہ آجکل کے نوجوان ہیں کہ نہیں کنگھی چوٹی اور بناؤ سنگھار ہی سے فرصت نہیں لاحول ولا قوۃ اور کہتے کیا ہیں کہ آج کل کا فیشن ہی یہ ہے کہ لعنت ہے ایسے فیشن پر جو مرد کے بچے کو رنڈی کی صورت بنا دے ،

کوئی دس بجے دن کو ملا رموزی صاحب کے بھانجے خلیق عصمت طولعمرہٗ ملا رموزی کے پاس آئے یہ کہتے ہوئے کہ " ماموں جان وہ اپنی بھینس کا بچہ تو مر گیا " لیجئے گویا غریب آدمی بنا ہی اسی لئے ہے کہ ہر مصیبت اسی کے حق میں ختم ہو جائے ، سر پکڑ کر بیٹھ گئے یہ سوچ کر کہ بھینس کے بچے کی وفات کا تو غم نہیں غم تو یہ ہے کہ اب اسے بھینسوں کے قبرستان تک لیجانے والوں کو قانون کی رو سے مبلغ ایک روپیہ دینا ہوگا۔ اور اس لڑکے کے غم سے بھینس نہ معلوم کتنا دودھ کم دے گی۔ فی الجملہ اس حادثۂ جانکاہ میں شریک ہونا ہی تھا اس لئے جو بھینس والے گھر میں گئے تو خالو میاں ہم سے بالکل اس طرح مخاطب ہوئے گویا ہمارے لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، بے ساختہ فرمایا۔

صبر کرو بھئی۔ وہ کچھ تھا ہی بیمار سا۔

اچھا بھئی وہ جو تم ڈاک خانے جاؤ اپنی ڈاک لینے تو ذرا وہ چماروں سے کہتے جانا کہ وہ آکر اسے پھینک آئیں، ملاحظہ فرمائیے! آپ نے ایک لطافت نکالی

کی یہ ڈیوٹی عورتوں کی افسردہ دلی اس لئے نظر آئی کہ وہ سب یہ کہہ رہی تھیں کہ جس کام کو نفع سوچ کر کرتے ہیں اسی پر پتھر پڑ جاتے ہیں، غرض بھینس کے لڑکے کے کفن دفن کے بعد ایک رات آواز آئی۔

کون ساجد؟ کیوں بھئی سوتے کیوں نہیں ہو؟

کیا خاک نیند آئے، یہ بھینس جو ہمارے سرہو باندھ دی گئی ہے۔

ہوا کیا؟

دیکھئے ذرا یہاں آکر، خدا کی قسم مچھروں نے کاٹ کاٹ کر ڈھول بنا دیا ہے میرے جسم کو،

تو بھئی میرے پاس چارپائی سے آؤ تمھاری، اور کہوں کیا خود میرا بھی یہی حال ہے، مگر دیکھو تو ساجد آخر اب اسے کہاں باندھا جائے؟ تم ہی بتاؤ؟

یہی حال میرا ہے آپا، خدا کی قسم کل رات تو میں لونڈے کو لئے رات بھر بیٹھی رہی مگر مچھروں نے نہ سونے دیا تو نہ سونے دیا رجبی با گھر میں لائی گئی ہے، ارے بھئی صادق، کیا تمھیں بھی مچھر ستا رہے ہیں جو سوتے نہیں ہو۔

عجب مصیبت ہے اب اگر دھواں کرتے ہیں اس کے پاس تبھی نیند نہیں آتی، اور پھر لطف یہ کہ اتنی مصیبتوں پر بھی دودھ ہے کہ فروخت نہیں ہوتا۔

خیر اس وقت تو تم میری چارپائی پر آکر سو جاؤ کل کوئی تدبیر کریں گے ایسی کہ یہ تکلیف نہ رہے مگر ہاں یہ بھی سچ کہتے ہو تم کہ جگہ کہاں سے لائیں گے بس وہ میاں مُلّا رموزی صاحب کے دالان سے ملا ہوا جو دالان ہے اُسی میں

باندھا جا سکتا ہے اسے مگر پھر مُلّا رموزی صاحب شاید ہم لوگوں کو زندہ ہی نہ رہنے دیں گے اگر ان سے یہ کہا جائے کہ بھئی چند دن ہمیں تکلیف کی وجہ سے اس طرف بھینس باندھ لینے دیجیے۔

حالانکہ اس سے ان کا کوئی نقصان بھی نہیں مگر وہ تو مزاج پایا ہے ملا صاحب نے بادشاہوں کا، اس لئے ان سے کہے کون؟

مگر آپ نے ان تمام حالات اور مباحثوں میں کسی ایک سے یہ نہ سنا ہوگا کہ سب سے بہتر علاج یہ ہے کہ اس بھینس ہی کو فروخت کر دیا جائے، لیکن بھینس فروخت نہ کرنے کے اسباب اوپر واضح ہو چکے ہیں، اس لئے جملہ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ ہماری اس بھینس کے دودھ کے لئے بہ کثرت خریدار بہم پہنچا کر ہمیں ممنون و مسرور فرمائیں۔ فقط والسلام

ختم شد